ماہنامہ
المُرشِد
مارچ 2010ء

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ الله

ہر شے کی صفائی کا ذریعہ اور سامان ہے اور دلوں کی صفائی اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے۔

اللہ
رسول
محمد

اگر واقعی انقلاب لانا چاہتے ہو تو لوگوں کے دل زندہ کردو، انقلاب خود بخود آ جائے گا۔

امیر محمد اکرم اعوان

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ المرشد

مارچ 2010ء ربیع الاول / ربیع الثانی
جلد نمبر 31 | شمارہ نمبر 7
مدیر: چوہدری محمد اسلم
سرکولیشن منیجر: رانا جاوید احمد
قیمت فی شمارہ 25 روپے
PS/CPL#15

فہرست

اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
انقلاب اولوں کی حیات سے آئے گا	امیر محمد اکرم اعوان	7
بندۂ مومن اور بعثت محمد رسول اللہ ﷺ	امیر محمد اکرم اعوان	16
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ	امیر محمد اکرم اعوان	29
اللہ تعالیٰ کو ذاتی نام سے پکارنا	امیر محمد اکرم اعوان	32
سند حیات قلب سلیم	امیر محمد اکرم اعوان	37
حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ	جمیل شاہ	44
The Proof of Faith: Intensity of Love for Allah		56

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ، یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
کاروینٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 0423-6314365 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35182727, Fax: 042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com
مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562255, email: daraulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

مقام محمود

مقامِ محمود کی تفصیل میں علماء کے مختلف ارشادات ہیں اور مختلف اقوال نقل کیے ہیں جن میں زیادہ زور اس پر ہے کہ میدان حشر میں جو مرتبہ شفاعت کا آپ ﷺ کو نصیب ہوگا کہ سب نبی بھی آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوں گے۔ اور شفاعتِ خاص کے طالب ہوں گے۔ یہی مقام محمود ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ جنت میں سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ گھر ہے جو صرف آپ ﷺ کے لئے ہے اور آپ ﷺ کی شان کے مطابق تمام جنت سے اعلیٰ ترین ہے۔ کشفاً اولیاء اللہ کی ارواح کی حاضری ہوتی ہے۔ صرف یہ ایک مقام ایسا ہے کہ جہاں سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی ہمرکاب نہیں ہوتا۔ جب بھی حاضری ہو، صرف دو ایک ہستی حاضر بارگاہ تشریف فرما ہوتی ہے۔ غالباً اس لئے کہ ان کی معیت بھی تو منفرد ہے کہ معیت ذات باری میں بمطابق اِنَّ اللہ مَعَنَا شریک ہے۔

بیت العنکبوت

قرآن حکیم نے ماسوائے اللہ، ہر سہارے کو بیت العنکبوت سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس کی ناپائیداری ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ دیر یا بدیر، ان سہاروں کا بودا پن انسان پر آشکار ہو جاتا ہے لیکن وہ ایک سہارا ٹوٹنے کے بعد دوسرے سہارے کو تھامنے کی کوشش کرتا ہے حتیٰ کہ عمر عزیز بیت جاتی ہے اور کچھ یہی حال قومی زندگی کا بھی ہے۔

ہماری قومی تاریخ میں ایک فسوں گر نے روٹی، کپڑا اور مکان کا خواب دکھایا تو لوگوں کی امیدیں اس سے وابستہ ہو گئیں اور اس وقت تک اس خواب کے طلسم میں کھوئے رہے جب تک کسی دوسرے طالع آزما نے مسند سیاست کو الٹ نہ دیا۔ ہر تبدیلی کے بعد نئی قیادت امیدوں کا محور بن جاتی ہے۔ کبھی ایک پارٹی اور کبھی دوسری پارٹی، کبھی ایک لیڈر اور کبھی دوسرا لیڈر، پھر وہی پہلا لیڈر یا اس کے جانشین لیکن یاس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ فسوں ٹوٹتے رہتے ہیں لیکن ہم اس ابدی اور اٹل حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں کہ یہ سب سہارے بیت العنکبوت سے کہیں زیادہ ناپائیدار اور بودے ہیں۔ قیادت کی تبدیلی کے ہر نئے تجربے سے قومی زندگی کے چند مزید قیمتی سال ضائع ہو جاتے ہیں اور یہ عمل آج تک جاری ہے۔

کچھ عرصے سے امیدوں کے محور میں تبدیلی کی رفتار بہت بڑھ گئی ہے اور اب اس کیلئے قیادت کی تبدیلی بھی ضروری نہیں رہی جو ایک خوش آئند پہلو ہے۔ کسی لیڈر کے کردار کو سمجھنے کیلئے جہاں ایک عرصہ درکار ہوتا تھا اب میڈیا کے بھرپور کردار کی وجہ سے اس کا پول چند دنوں اور ہفتوں میں کھل جاتا ہے اور بجز مایوسی قوم کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ سوائے ان لوگوں کے جو محض اپنے ذاتی مفادات کی وجہ سے سیاسی وابستگیوں سے چمٹے ہوئے حق نمک ادا کر رہے ہیں۔ قوم بحیثیت مجموعی ہر لیڈر سے مایوس ہو چکی ہے اور اس مایوسی اور تنفر میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ عوام کی اکثریت اس حقیقت کو جان چکی ہے کہ پارٹی خواہ کوئی بھی ہو، خواہ مذہب کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتیں ہوں، افراد ہوں، ان کی اکثریت آزمائی جا چکی ہے اور بجز مایوسی یہ قوم کو کچھ نہیں دے سکے۔ اب کسی بیت العنکبوت سے توقعات وابستہ کرنے کی بجائے ان سے ہاتھ اٹھا لینے کی ضرورت ہے۔ اب اس گھڑی کا انتظار ہے کہ جو قوم اللہ سے لاتعلقی پر اجتماعی معافی کی خواستگار ہو، اللہ کی طرف رجوع کرے اور اسی واحد اور مضبوط سہارے کو تھام لے۔ اس قومی فیصلے کے نتیجے میں وہ قیادت میسر آئے گی جو صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرے گی، جس کا مطلوب رضائے الٰہی اور جس کا کردار رسول اللہ ﷺ کی غلامی ہوگا۔

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	نشانِ منزل

کون سی ایسی بات ہوئی ہے
سوچ سمندر

متاعِ فقیر	آس جزیرہ	دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟
علی اکبر منصور لکھتے ہیں

''میرے نقطہ نظر کے مطابق زیست نے اولاً ملک صاحب کے باطن پر درد والم کے دروازے کھولے۔ انہوں نے ہر انسانی کرب کو اپنی اذیت کی طرح قریب سے دیکھا، محسوس کیا اور بھگتا۔ ہمارے نزدیک اسی درد کی کائنات کا انسان کے باطن میں افشا ہونا ہی تخلیقی عمل کی اساس ہے جو روحانیت، تخلیق اور انسانیت کے معراج کی طرف لے جاتی ہے۔ ملک صاحب کی ساری بصیرت ان کی شخصی واردات عمیق مشاہدہ اور عملیت پسندی ہے اور یہی عناصر ان کی تخلیق شعر میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری تصوف کی شاعری ہے۔ روایت کا ایک جدید ترین احیاء ہے جس میں انسانی ذات سے لے کر معاشرے اور انسانی تہذیب تک کو بالیدہ کرنے کی قوت موجود ہے۔''

نعت

ملی ہیں خوبیاں انسان کو مدینے سے
چرائی پھول نے خوشبو وہاں پسینے سے
چمن میں فکر کی مثل بہار وہ آئے
سجی ہے رونق بزم جہاں قرینے سے
قبور جسم میں تھی دفن روح انسانی
نوید زندگی جاوداں مدینے سے
بچھڑ گئے تھے سبھی لوگ ذات سے اپنی
ملی شناخت یہ رب جہاں مدینے سے
تو ہی ہے ہادی برحق، تو رہبر صادق
دکھایا حاصل کون و مکاں مدینے سے
جو دشمنی تھی وہ کافور ہوگئی فورا
ہوئیں محبتیں ساری رواں مدینے سے
کہاں کرے گا کوئی اب تلاش نعت کو
کہ بانٹے جاتے ہیں دونوں جہاں مدینے سے
کہیں ٹھہرتا نہیں ہے جو چل نکلتا ہے
بھری بہار کا سیل رواں مدینے سے
درِ حبیب پہ سیماب کو تلاش تو کر
وہ اور جائے گا اُٹھ کر کہاں مدینے سے

اقوالِ شیخ

☆ ایمان نام ہے ایک باطنی کیفیت کا جو انسان کے اندر ہوتی ہے اور یہ اس قدر پوشیدہ ہے کہ انبیاءؑ بھی تب جان سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں اطلاع دے۔ ورنہ ہر فرد کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

☆ روزی کا حصول واجب ہے۔ ترک سبب شرعاً جائز نہیں۔ لیکن مقدم ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی پیروی، اطاعت کیا ہے؟ وہی دنیا کے کام جو ہم کرتے ہیں انہی کے کرنے کا ڈھنگ سیکھنا ہے حضور اکرم ﷺ سے۔

☆ اتباع کے لئے محبت شرط ہے۔ بغیر محبت کے کوئی کسی کے پیچھے نہیں چلتا۔ بغیر عقیدت کے محبت نہیں ہوتی اور بغیر محبت کے اطاعت نہیں ہوتی اور جہاں اطاعت نہ ہو وہاں دعویٰ محبت فضول ہے، بے معنی ہے۔

☆ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یہ حضور اکرم ﷺ کا منصب ہے اور عالمین میں ہر وہ شے سما جاتی ہے جو اللہ کے بغیر ہے ایک اللہ کی ذات کو چھوڑ کر باقی جو کچھ ہے اس عالم میں، اس دنیا میں، آخرت میں، زمین و آسمان میں، کہیں جو کچھ اللہ کے سواء ہے وہ عالمین کے اندر ہے اور حضور اکرم ﷺ کی ذات بابرکات رحمت ہے۔ اللہ کی عالمین کے لئے۔ لہٰذا آپ ﷺ کی برکات کا احاطہ ممکن نہیں۔

☆ ہر عمل کے دو نتیجے ہوتے ہیں۔ ایک دنیا میں اور ایک آخرت میں آپ ٹھنڈا پانی کافر کو بھی دیں اسکی پیاس بجھ جائے گی۔ اچھی دوا کافر کو بھی دیں اس کی صحت اچھی ہو جائے گی آخرت میں جواب دہی کے لئے کفر اور ایمان کا فرق ڈال دیتے ہیں۔

☆ دین کیا ہے؟ بندے اور اللہ کے درمیان خالص اور ذاتی رشتے کو دین کہتے ہیں۔

ذکر کی محفلیں جنت کے باغات ہیں۔ اللہ، اللہ کرنے والوں کے بدن تو وقتی طور پر مشکلات میں پڑ سکتے ہیں۔ لیکن ان کے قلوب و ارواح تو جنت کے سکون سے مسرور ہوتے ہیں اور اللہ کا ذکر ان کا قلعہ ہوتا ہے۔ (اقتباس از کنز الطالبین)

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیے سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

انقلاب! دلوں کی دنیا سے آئے گا

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی 6 فروری 2010 ماہانہ اجتماع بمقام: دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا
هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ
الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ
شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۫
وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ
بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً
اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

(سورۃ الانعام آیات 17 تا 19)

اگر تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائیں تو اس کا دور کرنے والا اللہ کے سوا کوئی اور نہیں اور اگر تجھ کو کوئی نفع پہنچائیں تو وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں پر غالب اور برتر ہیں اور وہی بڑی حکمت اور خبر رکھنے والے ہیں۔ آپ کہیے کہ سب سے بڑھ کر گواہی دینے والا کون ہے؟ آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہیں اور میرے پاس یہ قرآن بطور گواہی بھیجا گیا ہے تاکہ اس قرآن کے ذریعے سے تمہیں اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے اُسے اعمال بد کے انجام سے دنیا میں ہی متنبہ کر دوں۔ تو کیا تم گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ آپ فرما دیجیے کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

اللہ کریم معاف فرمائے ہمارے آج کے ملکی حالات جو ہیں وہ ہم سب کے سامنے ہیں۔ اور بڑے آرام سے ہم حکمرانوں کو الزام دے کر خود ہم مظلوم بن جاتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ حکمران لالچی ہیں حکمران جھوٹ بولتے ہیں۔ حکمران دھوکہ دیتے ہیں، حکمران لوٹ رہے ہیں۔ اپنی جگہ شاید یہ ساری باتیں درست ہوں گی لیکن حقیقت جاننا ہو تو دیکھا یہ جائے گا کہ حکمران کیا ہوتا ہے؟ حکمران اسی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے جس قوم پر وہ حکومت کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے 'اعمالکم عمالکم او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ لوگو! تمہارا کردار ہی تم پر حکومت کرتا ہے۔ تاریخ اس کی مثالیں پیش کرتی ہے۔ مثلاً نادر شاہ نے دہلی فتح کی اور قتل عام کا حکم دے دیا بے پناہ لوگ قتل ہوئے لٹ گئے۔ گھر

اُجڑ گئے۔ دہلی برباد ہوگئی۔ تو کسی نے کہا تھا کہ۔

شامتِ اعمالِ ما صورت نادر گرفت :۔ کہ ہمارے جو گناہ تھے، برائیاں تھیں وہ نادر شاہ ایرانی کی شکل میں متشکل ہوگئیں۔ اگر حکومت خراب ہے۔ حکمران خراب ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کردار خراب ہے ہمارا جو تعلق اللہ کے ساتھ ہے اور اللہ کے حبیب ﷺ کے ساتھ ہے وہ صحیح نہیں ہے ہم وفا نہیں کر رہے ہماری بے وفائیاں متشکل ہوگئی ہیں تو کیا حکومت کے خلاف بغاوت کرنے سے یا نعرے لگانے سے یا جلوس نکالنے سے اصلاح ہو جائے گی ہرگز نہیں۔ خرابی ہمارے کردار کی ہے جو متشکل ہو گئی ہے۔ ہم عذاب کو حکمرانوں کے ذمے لگاتے ہیں لیکن ہمیں سوچنا چاہیے کہ زمین پر تو افراد حکمران بن گئے اور ظلم کرنے لگے لیکن آسمانوں سے بارشیں کس نے روک دیں؟ کھیتیوں نے اُگنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اس کا جواب قرآن حکیم میں موجود ہے۔ قرآن کریم ایک اصول بیان فرماتا ہے کہ جب کسی قوم کی بغاوت حد میں بڑھتی ہے تو ہم اس کی معیشت تنگ کر دیتے ہیں قرآن کے الفاظ ہیں فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا (سورۃ طٰہٰ آیت 124)

انکی روزی تنگ کر دیتے ہیں آج ہم پر وہ عذاب مسلط ہے۔ ''معیشت ضنکا'' سے مراد یہ ہے کہ رقم، پیسے یا قوت خرید افراد کے پاس ہوتی ہے لیکن انہیں اشیائے ضرورت نہیں ملیں، یعنی ایک مفلس جس کے پاس قوت خرید نہیں ہے اسے چیز نہیں ملتی تو یہ ایک عام بات ہے لیکن قوت خرید رکھنے کے باوجود بھی نہ ملے۔

تو یہ معیشت ضنکا ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے عذاب مسلط ہے جیسے آج کل لوگوں کے پاس پیسے ہیں انہیں بچے کو بطور دوا دینے کے لئے بھی چینی نہیں مل رہی، کھانے کی بات تو دور کی ہے۔ غلہ ملک میں پیدا ہوتا ہے۔ زرعی ملک ہے لیکن آٹے کے لیے قطاریں لگتی ہیں۔ بیس بیس لوگ پاؤں کے نیچے کچل جاتے ہیں۔ پانی کا قطرہ نہیں مل رہا۔ تیل خریدا نہیں جا رہا۔ خریدنے کی سکت ہے لیکن تیل اور گیس کے پمپ بند پڑے ہیں۔ پمپ کبھی بند کر دیے جاتے ہیں اور کبھی ہڑتال ہو جاتی ہے۔ کیسی عجیب صورت حال ہے۔ پیسے ہیں، گاڑی بھی پاس ہے، سڑک پہ کھڑا ہے لیکن تیل نہیں ملتا تو یہ عذاب الٰہی ہے۔ اور عذاب الٰہی جلسوں، نعروں، تقریروں، جلوسوں سے، ہڑتالوں سے نہیں ٹلتا۔ عذاب الٰہی کا ایک ہی علاج ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی جائے۔ قرآن حکیم میں ملتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ قوم کو بتایئے۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (سورۃ نوح آیات 10-11-12)

اللہ بڑا بخشنے والا ہے اس کے سامنے توبہ کرو، گڑگڑاؤ۔ جو ہو چکا اس کی معافی مانگو۔ آئندہ اپنی اصلاح کرو۔ استغفار کا مطلب ہوتا ہے کہ گزشتہ پر اللہ سے معافی مانگی جائے توبہ کی جائے اور توبہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کر رہے ہو وہ چھوڑ دو۔ اور اصلاح کر لو۔

يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا

وہ اتنا کریم ہے کہ وہ تم پر بارشوں کے دروازے بھی کھول دے گا۔ تمہیں نیک اور صالح اولادیں دے گا۔ تمہارے ملک میں نہریں جاری ہوں گی اور خوشحالی ہوگی۔ یعنی دونوں عالم کی خوشحالی کا انحصار بندے کے اللہ کے ساتھ تعلقات پر ہے۔ ہمارے ہاں ایک بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ جی مغرب میں لوگ عیش کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑا جھوٹ ہے میں نے ساری دنیا پھر کے دیکھی ہے۔ مشرق سے مغرب تک، مشرق بعید سے مغرب بعید تک الحمد للہ۔ شمال سے جنوب تک آپ جہاں بھی چلے جائیں دنیائے کفر میں فراخی نہیں ملتی۔ لوگ بیس بیس گھنٹے کام کرتے ہیں تب جا کے صبح

شام کا کھانا پورا ہوتا ہے۔ نیویارک جیسے شہر میں 62 فیصد لوگ وہ ہیں جو فٹ پاتھ پر اور پلوں کے نیچے سوتے ہیں۔ UK، انگلینڈ جیسے، لندن جیسے، انگلینڈ کے لندن جیسے شہر میں میں نے لوگوں کو فٹ پاتھوں پر اور پلوں کے نیچے سردیاں گذارتے دیکھا ہے واشنگٹن ڈی سی کا آج کا ٹمپریچر، منفی گیارہ ہے اور آدھے سے زیادہ شہری وہ ہیں جن کے پاس گھر نہیں ہے۔ جو پلوں کے نیچے رات بسر کرتے ہیں۔ نیویارک اور واشنگٹن ڈی سی اور امریکہ کے دوسرے شہروں میں لوگوں کو کوڑے کے ڈرموں سے ٹکڑے چن کر کھاتے دیکھا ہے۔ جو لوگ وہاں کام کرتے ہیں ان سے پوچھ لیں کہ وہاں لوگ بیس بیس گھنٹے کام کرتے ہیں۔ ایک روٹین ہے کہ اٹھارہ گھنٹے کام کیا جائے۔ ایک ایک بندہ آٹھ آٹھ گھنٹے کی جاب کم از کم دو جگہ ضرور کرتا ہے اور اگر گھر کا کوئی فرد چھوٹا یا بڑا بیمار پڑ جائے اخراجات بڑھ جائیں تو لوگ جس جگہ کام کرتے ہیں۔ دو تین دن 24 گھنٹے محنت کرکے کچھ بات بنتی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ کہیں بھی کفر اور برائی کے ساتھ فراخی دنیا میں بھی نہیں ہے۔

ہم بڑے خوش حال تھے۔ اس برصغیر میں خوش حالی کا دور دورہ تھا ہم نے بداعمالیاں کیں۔ ہم نے اللہ سے بغاوت کی۔ ہم پر کافر مسلط ہو گئے۔ اللہ کے بندے جہاد کرتے رہے۔ محنت کرتے رہے۔ کوشش کرتے رہے۔ لیکن بعض چیزیں من جانب اللہ بہت عجیب ہوتی ہیں۔ یہ صرف برصغیر آزاد نہیں ہوا۔ دنیا سے نوآبادیات کا خاتمہ ہو گیا۔ جہاں جہاں افریقی ممالک میں یا جہاں جہاں نوآبادیاں تھیں، وہ ختم ہو گئیں اور میری رائے میں یہ سارا کریڈٹ ہٹلر کو جاتا ہے۔ جسے اللہ نے ان شیطانوں پر ایک بڑے شیطان کی حیثیت میں مسلط کر دیا تھا۔ عالم کفر میں اللہ نے ایسی مصیبت ڈالی کہ اس نے مار مار کران کا بھرکس نکال دیا اور فرانسیسیوں، انگریزوں اور یورپین اقوام میں وہ سکت ہی نہ رہی کہ وہ نوآبادیاتی نظام قائم رکھ سکیں۔ وہ قادر ہے۔ وہ جو کام جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے۔ میری ذاتی رائے میں جہاں تک میرا مطالعہ ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ نے یہ کام ہٹلر سے لیا۔ وہ خود بھی کافر ہی تھا۔ لیکن دنیائے کفر کو اس نے جاؤ کر کے تہس نہس کر کے رکھ دیا اور بے شمار مخلوق کو نوآبادیات ہونے سے جان چھڑائی لیکن ہم پھر وہ بدنصیب ہیں کہ جن سے انگریز تو اپنے پنجے اٹھا کر چلا گیا لیکن جو نظام اس نے بنایا تھا وہ ابھی تک ہم پر مسلط ہے۔ آقا بدل گئے۔ قوم کی بیڑیاں بھی وہی ہیں۔ گلے میں زنجیر بھی وہی ہے۔ ہاتھوں میں ہتھ کڑیاں بھی وہی ہیں۔ وہی The indian penal code مجریہ 1835ء، ہمارے سارے قانون کی آج بھی بنیاد ہے۔ انجمن دارالعرفان کا RENEWAL کرا کے راشد لایا تو میں نے اس دستاویز کو بڑے غور سے پڑھا۔ اب جو انجمنوں کو رجسٹر کرنے کا Act ہے۔ اس کا حوالہ دیا گیا تھا اور وہ 1860ء کا ہے۔ یعنی ہمیں نجات تو ملی لیکن صرف اس قدر کہ مالک بدل گیا انگریز چلا گیا۔ اس کی جگہ دیسی لوگ، مقامی لوگ آ گئے۔ عام آدمی ویسا ہی رہا جیسا کہ وہ انگریز کے زمانے میں محکوم، غلام، مظلوم تھا۔ وہی حال رہا، اور وہی چل رہا ہے۔ ملک میں جماعتیں بنیں، پارٹیاں بنیں۔ لیکن ہر ایک کا مقصد صرف حصول اقتدار ہی رہا۔

جبکہ شرعی اعتبار سے قانون یہ ہے جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اقتدار کا طالب ہو اسے کبھی اقتدار نہ دیا جائے۔ ان لوگوں کو دیا جائے جو اقتدار سے بھاگتے ہیں۔ اصول یہ ہے تو یہ جتنی جماعتیں ہیں اور ساون کے مینڈکوں کی طرح نکل رہی ہیں۔

کہ ہر بندہ دس بندے جمع کر کے ایک جماعت بنا لیتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مقصد حصول مفادات ہے۔ میں نے یہ بات اس لئے چھیڑی ہے کہ مجھے بہت سے ساتھیوں کے even بچیوں کی EMAIL آتی ہیں۔ خطوط آئے ہیں کہ جی ایک نئی جماعت

بن گئی ہے۔ اس میں نوجوانوں کو منظم کیا جا رہا ہے اور وہ زید حامد ہیں وہ اس کے سربراہ ہیں وہ اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار کر رہے ہیں۔ پھر مجھ سے پوچھا جاتا ہے کیا ہم اس میں شامل ہو جائیں؟ بہت اچھے ہوں گے، زید حامد صاحب اور واقعی خلوص سے لگے ہوئے ہوں گے، میں اس شخص کو ذاتی طور پر نہیں جانتا نہ میری اس سے ملاقات ہے حالانکہ وہ اپنی ساری بنیاد میرے خطابات پہ، میری تقریروں پہ رکھتا ہے کہ جو آج بیان کر رہا ہوں وہ شاید یہ آپ سے پہلے، آپ کے پنڈی جانے سے پہلے اس کے پاس پہنچ جائے گی لیکن آپ کو ایک بات بتا دوں یہ زید حامد وہی شخص ہے کہ ایک کذاب نے لاہور میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کا نام یوسف کذاب تھا اس کے خلاف کیس رجسٹر ہوا تھا۔ وہ جیل میں تھا تو کسی نے اسے قتل کر دیا۔ میری معلومات کے مطابق وہ جیل میں قتل ہو گیا۔ یہ اس یوسف کذاب کا اس وقت دستِ راست اور نائب تھا۔ ہو سکتا ہے آج بہت نیک ہو گیا ہو لیکن یہ جھوٹے نبی، مدعی نبوت کا نائب تھا۔ اب یکا یک اسے اسلام کی فکر کیسے پڑ گئی؟! حالانکہ اس نے تو اسلام میں نقب لگائی تھی۔ لیکن خیر مجھے کسی کی ذات سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں تک جماعتوں میں داخل ہونے کا تعلق ہے تو اس کے بارے آپ کو بتاؤں۔

حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ انہیں ایک سیاسی جماعت نے ساتھ دینے کے لئے بڑا مجبور کیا کہ وہ لوگ نفاذِ اسلام کے لئے اور حق کی سربلندی کے لیے کوشش کر رہے ہیں لہٰذا آپ بھی ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں تو فرماتے تھے کہ میانوالی میں ان کی جماعت کے عہدے داران کا مرکزی اجلاس تھا انہوں نے مجھے بھی وہاں بلایا تو میں وہاں گیا۔ تو جو وہاں جماعت کے ایک ذمہ دار عہدے پر فائز ایک شخص کا مقدمہ جماعت کے ممبران اور عہدیداران کے سامنے پیش ہوا کہ وہ شخص لڑکوں سے بدفعلی کرتا ہے تو اس کا کیا کیا جائے؟ تو بڑی بحث کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ چلو جیسا بھی ہے جماعت سے تو تعاون کرتا ہے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے بڑا دکھ ہوا کہ یہ عجیب جماعت ہے کہ جس کا جو جی چاہے کرتا رہے اور بس جماعت سے تعاون کرتا رہے تو اسے اہم ذمہ داری پر فائز رہنے دیا جائے تو یہ کون سا دین لائیں گے؟ لہٰذا میں واپس آ گیا۔ فرماتے ہیں شام کے ذکر میں، میں نے اپنے مشائخ سے بات کی کہ مجھے حضرت یہ تجربہ ہوا ہے کہ دین کے نام پہ لوگوں نے بلایا اور ان کا کردار تو یہ ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ مجھے میرے حضرت نے فرمایا کہ تم پہلے سے ایک جماعت میں ہو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ مشائخ سلسلہ سے بڑی جماعت کوئی ہے؟ تم اس جماعت میں ہو جس کے سربراہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور تم اس جماعت میں ہو جس میں دنیا کے چنے ہوئے اللہ کے بندے شامل ہیں تمہیں کسی جماعت میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟ سو الگ الگ EMAILS کا، خطوں کا جواب دینے کی بجائے میں چاہتا ہوں کہ آپ سب کو ایک ہی دفعہ جواب دے دوں کہ اس سلسلے کا ہر ساتھی رسول اللہ ﷺ کی جماعت میں ہے۔ مشائخ عظام کی جماعت میں ہے اور یہ بھی یاد رکھو۔ تبع تابعین کے بعد خیر القرون کے بعد یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اللہ کریم نے توفیق بخشی اور مشائخ نے اجازت بخشی کہ آنے والے کو ذکر قلبی تعلیم کیا جائے۔

یہ سنت 14 صدیوں بعد زندہ ہوئی اور میں نے شروع میں جب یہ بات کی تھی تو بعض علماء نے مجھے لکھا تھا کہ یہ آپ کی عقیدت سے میں نے کہا جی۔ عقیدت اپنی جگہ، یہ بات میں تاریخ کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں یا آپ مجھے کوئی تاریخی حوالہ ہی دیں کہ درمیان میں چودہ صدیوں میں کسی نے اس طرح سے عام کیا ہو ذکر الٰہی۔ تو آپ پہلے سے ایک جماعت میں ہیں! آپ میں کام کرنے کا جذبہ ہے تو آپ اس میں کام کیوں نہیں کرتے۔ پھر کتنی ترقی کی۔ کتنا کام کیا۔

حکم ہوا نبی کریم ﷺ کو بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (المائدہ آیت 67)

میرے حبیب جو اللہ کی طرف سے، آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوتا ہے اسے لوگوں کو پہنچایئے۔ بَلِّغْ۔ بات آگے پہنچایئے۔ آپ ﷺ نے اس طرح سے پہنچائی۔ یہی وہ آیۂ کریمہ ہے جو نازل ہوئی تو اقوامِ عالم کو اور دنیا کو حضور ﷺ نے نامہ ہائے مبارک بھیجے۔ اور اقوامِ عالم کے سلاطین کو بھی، ملکوں کو بھی، قوموں کو بھی دعوت الی اللہ دی اور ہر ایک کے لئے عام کر دی۔ تب سے اب تک اللہ کے بندے، حضور ﷺ کی عنایت میں پیغامِ الٰہی پہنچاتے جا رہے ہیں اور تبلیغ ختم نہیں ہوئی۔

اور اس حکم کی یعنی بَلِّغْ کی تعمیل ختم نہیں ہوئی۔ نظامِ شمسی ایسا ہے دنیا کے رات اور دن ایک دوسرے کے تعاقب میں ہیں ایک جگہ فجر ہوتی ہے۔ دوسری جگہ ظہر ہو رہی ہے۔ تیسری جگہ عصر کا وقت ہو رہا ہے اس سے دو گھنٹے کے فاصلے پر مغرب ہو رہی ہے جیسے ڈیڑھ گھنٹے کے فاصلے پر عشاء ہو رہی ہے اور یہ گھومتا رہتا ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ روئے زمین کے گرد صدائیں بلند نہ ہو رہی ہوں اللہ اکبر، اللہ اکبر

اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمد رسول اللہ

کوئی وقت ایسا نہیں کہ اللہ کے بندے سربسجود نہ ہوں کوئی وقت ایسا نہیں کہ قرآن پڑھا، پڑھایا نہ جا رہا ہو۔ کوئی وقت ایسا نہیں کہ دین کی بات پہنچائی نہ جا رہی ہو۔ یہ معجزہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا اور سب سے خوش قسمت لوگ وہ ہیں مردوں میں بھی اور خواتین میں بھی اس شعبے جو حضور کے مشن کی تکمیل کے لئے مجاہدہ کر رہے ہیں اور پھر سلسلہ عالیہ کی برکات تو یہ ہیں کہ آپ کو تو اللہ نے وہ نعمت بخشی ہے جس کے لیے جن کو طلب ہوتی تھی وہ روئے زمین پر پھرا کرتے تھے۔ تلاش کیا کرتے تھے۔ تو حالات کو بیلنس BALANCE کرنے کے لیئے عذاب الٰہی سے نجات کے لئے انسانی سوچ فکر اور کردار کی تبدیلی کے لئے۔ یاد رکھیں! کبھی کردار از خود تبدیل نہیں ہوتا جب تک فکر تبدیل نہیں ہوتی۔ اندازِ فکر جب تک نہیں بدلتا کردار نہیں بدلا کرتا۔ کردار ہمارے اندازِ فکر کا مظہر ہوتا ہے جو ہم سوچتے ہیں۔ ہماری نیت میں ہوتا ہے وہ ہمارے اعضاء جوارح سے ظاہر ہوتا ہے ہماری زبان سے ظاہر ہوتا ہے۔ اندازِ فکر بدلتا ہے، دل بدلنے سے اور دل بدلتا ہے اللہ کی یاد سے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ (الرعد آیت 28)

تو آپ کو اللہ نے اتنی بڑی سعادت سے نوازا ہے اور ایک ایسی جماعت کا رکن بنا دیا ہے جس کے سربراہ آج بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور جو سیدنا صدیق اکبرؓ کے قلبِ اطہر سے آگے چلتی ہے اور بڑے بڑے عظیم مشائخ اس میں شامل ہیں یہ تو بڑی فخر کی بات ہے کہ اللہ کریم نے اتنی سعادت بخشی کہ ان لوگوں کی جوتیوں میں بٹھایا جو اس کے انتہائی مقرب ہیں۔ تو جنہیں جماعت کا کام کرنے کا شوق ہے ان کے پاس تو میدان کھلا ہے، کرو۔ پھر کسی الف، بے، جیم جماعت میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ سب کچھ اللہ کریم کے دستِ قدرت میں ہوتا ہے حکومتیں بھی بدل جاتی ہیں۔ بدکار بھی چلے جاتے ہیں، نیک اور پارسا بھی آ جاتے ہیں لیکن تب جب قومیں خود بدلتی ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد آیت 11)

اللہ کریم ان قوموں کے حالات بدلتا ہے جو اپنے آپ کو بدلتی ہیں اپنے کردار کو بدلتی ہیں۔ اللہ سے رجوع کرتی ہیں اپنے گناہوں کی معافی چاہتی ہیں۔ آئندہ کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتی ہیں تو یاد رہے کہ مومن کی یہ دنیا بھی جنت کا پرتو بن جاتی ہے۔ اس کی زندگی پرسکون ہوتی ہے وہ دنیا میں اس طرح جیتا ہے جس طرح جنت میں جی رہا ہو۔ اگر کسی کی زندگی بے

سکون ہے تو یہ خرابی ہم نے کی ہوئی ہے۔ کسی بہت اچھے کمرے میں بہت سی نعمتیں موجود ہوں، خوان بھرے ہوں، تھال رکھے ہوں نعمتوں کے، اور کسی کو اس میں بٹھا دیا جائے وہ اٹھ کے میزیں کرسیاں الٹنے لگ جائے، پلیٹیں توڑنے لگ جائے، چیزیں پھینکنے لگ جائے اور پھر کہے کہ مجھ پر مصیبت آگئی ہے۔ اسے چاہیے کہ تہذیب کے اندر تمیز کے اندر رہ کر ان چیزوں کو استعمال کرے، توڑ پھوڑ سے تو خرابی ہی ہوگی تو دنیا بھی اللہ کا نعمت کدہ ہے۔ یہ بھی بڑی آرام دہ بن سکتی ہے اگر ضابطے اور قاعدے کے مطابق رہا جائے۔ کتنے لوگ ہیں جن کے پاس محلات ہیں۔ بڑی بڑی گاڑیاں ہیں۔ بڑے نرم بستر ہیں۔ چوکیدار اور پہرے دار ہیں لیکن وہ نیند کی گولی نہ کھائیں تو انہیں نیند نہیں آتی۔ اور کتنے ایسے ہیں جو ننگی زمین پہ لیٹتے ہیں آرام سے سو جاتے ہیں۔ بڑے آرام سے اٹھ کے اللہ اللہ کر لیتے ہیں۔ اس کے پاس دولت ہے سکون نہیں ہے۔ اس کے پاس دنیا کی دولت نہیں، دل کا سکون ہے تو جس کے پاس دل کی دولت ہوتی ہے وہ ہر حال میں مطمئن اور خوش ہوتا ہے جس کے پاس دل مردہ ہوتا ہے محض دنیا ہوتی ہے وہ دنیا بھی اس کے لئے مصیبت بن جاتی ہے تو میں آپ کو یہ یقین دہانی کرانا چاہتا ہوں کہ آپ ایک جماعت میں ہیں! یعنی دوسری جماعت میں جانے کا تب سوچئے کہ جب آپ ایک جماعت میں نہیں ہیں یا پھر اس جماعت سے استعفیٰ دیں اللہ اللہ چھوڑ دیں تو یہ تو بڑا گھاٹے کا سودا ہوگا۔ پھر جو جوان خون ہوتا ہے ان میں کام کرنے کا جذبہ ہوتا ہے وہ سوچتے ہیں کہ چلو جی نئی جماعت بن رہی ہے اس میں یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔ ان کے لئے حقیقت کھول کر بتائی جا رہی ہے کہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ساری جماعتیں ہوس اقتدار میں بنتی ہیں۔ اقتدار میں شرکت کے لئے تگ و دو ہوتی ہے۔ پاکستان بننے سے لے کر اب تک اقتدار کے خواہش مند لوگوں میں سے میں نے صرف ایک شخص کو سچ کہتے دیکھا ہے۔ وہ ہیں حاجی حنیف طیب صاحب ماشاء اللہ حیات ہیں اور آج بھی میڈیا پر دکھائی دیتے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں وہ جنرل صاحب کی پالیسی پر سخت تنقید کیا کرتے تھے۔ حکومت کے خلاف ان کے بڑے مضامین اخبارات میں چھپتے تھے۔ اس پر جنرل صاحب نے انہیں وزیر بنا دیا تو کسی نے ان سے سوال کیا کہ حاجی صاحب آپ تو حکومت پر بڑی تنقید کرتے تھے۔ اور ایک دم سے تنقید ختم ہوگئی اور اب آپ حکومت کی تعریفیں کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا سیاست ہوتی ہے اقتدار کے لیے یا اقتدار میں شراکت کے لئے جنرل صاحب نے مجھے وزیر بنا دیا کیا اب بھی میں ان پر تنقید کرتا رہوں۔ میرا مقصد تو پورا ہو گیا۔ صرف اس ایک بندے نے سچ بول دیا تھا اور وہ بھی ٹی وی پر عوام خواص کے سامنے بولا تھا باقی سارے کہتے رہتے ہیں کہ وہ قوم کے درد میں مرے جا رہے ہیں۔ درد پیٹ میں ہوتا ہے نعرے قوم کے لگا دیتے ہیں۔

تو یہ جتنی جماعتیں ہیں یا بن رہی ہیں وہ اسلام کے نام پر ہیں یا دنیاوی نام پر ہیں۔ جمہوریت کے نام پر ہیں یا سوشلزم کے نام پر ہیں یا عوام کے حقوق کے نام پر ہیں کہ نام تو ہر کوئی بڑے خوبصورت خوبصورت رکھتا ہے لیکن جو عوام کے حقوق کے نام پر اقتدار میں آتے ہیں عوام کا استحصال سب سے زیادہ وہی کرتے ہیں چونکہ سب کا مطمع نظر حصول اقتدار ہے اصلاح احوال نہیں ہے۔

یہ اتنی بڑی حقیقت ہے جس سے عوام گزر رہے ہیں تھے میں اور آپ سمجھتے ہیں تو کیا خیال ہے حکمرانوں کی اس کی سمجھ نہیں؟ کہ یہ انگریز کا Colonial سسٹم ہے۔ اسے ترسٹھ 63 برسوں سے ہم گھسیٹ رہے ہیں اس سے جان چھڑائی جانی چاہیے کیا حکمران نہیں سمجھتے؟ وہ سمجھتے ہیں لیکن اس میں ان کے لئے بڑی

موج ہے کہ عام آدمی کا کوئی حق نہیں ہے اسے صرف مزدوری کرنی ہے اور حکمرانوں نے سارا پھل کھانا ہے۔ اس میں ان کو بہت مزا آتا ہے وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے بلکہ پچھلے دنوں میرے پاس ایک سیاستدان تشریف لائے وہ حالات کا رونا رو رہے تھے تو میں نے کہا کہ بھئی حالات کی اصلاح کرنی ہے تو اس بنیادی نظام کو بدلیے۔ Colonial system چل رہا ہے اسے بدلیں۔ آپ اسلام سے گھبراتے ہیں۔ اسلامی نظام نافذ کرنا نہیں چاہتے تو اتنا تو کریں کہ جتنے حقوق عام آدمی کو غیر مسلم ممالک میں حاصل ہیں۔ یورپ میں، برطانیہ میں، سکینڈے نیویا میں، امریکہ میں، جاپان میں دوسرے مشرقی مغربی ممالک میں جو غیر مسلم ممالک ہیں وہاں جو عام آدمی کا حق ہے وہ تو دیں۔ کہنے لگا یہ ناممکن ہے یہ نہیں ہو سکتا، نظام نہیں بدل سکتا میں نے کہا میاں یہ دنیا اللہ کی ہے اس میں اُس کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ اے کاش! لوگ توبہ کریں اللہ سے معاملہ درست کرلیں تو آپ کیا، دنیا کی کوئی طاقت اسے بدلنے سے روک نہیں سکتی یہ تم نے نہیں کیا، تم کو اللہ نے ہم پر مسلط کر رکھا ہے اور یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ یہ تمہاری بہادری نہیں ہے کہ تم نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے یہ ہمارے اپنے گناہوں کی سزا ہے کہ تم ہم پر مسلط ہو۔ تو بھئی جماعت کا کام کرو اور ضرور کرو اور زیادہ سے زیادہ کرو۔ لیکن بھائی کرنے کا کام آپ کے پاس جماعت کا ہے۔ مشائخ عظام کی جماعت کا ہے۔ کریں نوجوان آگے آئیں بچے بچیاں آگے آئیں۔ بچیاں بچیوں میں کام کریں۔ بچے بچوں میں کام کریں۔ جوان جوانوں میں کام کریں، بزرگ بزرگوں میں کام کریں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو اس نے اپنے اولوالعزم رسول ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ارشاد فرمایا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ میرے نبی لوگوں کو بتاؤ، اپنے پروردگار کے سامنے توبہ کرو۔ گناہوں کی معافی مانگو۔ نیکی اختیار کرو۔ وہ بہت بڑا بخشنے والا ہے۔ تمہارے گناہ اس کی رحمت کے سامنے پر کاہ کی حیثیت نہیں رکھتے۔ وہ بخشنے والا ہے اور جب تم پر راضی ہوگا۔ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ تم پر آسمانوں سے بھی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔ تم پر بارشیں برسیں گی اور تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا۔

دنیا میں تمہارے لئے جنت اور باغات لگا دے گا اور نہریں بہادے گا۔ خوشحال ہو جاؤ گے دنیا بھی جنت بن جائے گی۔ دنیاوی خوشحالی بھی آجائے گی۔ امن بھی نصیب ہوگا۔ انصاف بھی نصیب ہوگا لیکن یہ اسی کی بارگاہ سے ملے گا اور وہی ایک ہے جو ان مصیبتوں کو رفع کر سکتی ہے۔

تو میرے بھائی۔ کرو کام کرو۔ بہت زیادہ کام کرو۔ لیکن یار یہ کام کیوں نہیں کرتے ہو جو تمہارے سامنے ہے۔ اسے کیا سمجھتے ہو یہ معمولی کام ہے؟ یہ بہت بڑا کام ہے۔ ہاں! اس میں ایک مشکل آتی ہے کہ خود پہلے کرنا پڑتا ہے اور دوسرے تک بندہ بعد میں پہنچ سکتا ہے باقی جماعتیں جو ہیں ان میں آپ جو جی چاہے کرو دوسروں کو تبلیغ کرتے رہو۔ یہ کردو، وہ کردو، دو چار نعرے لگائے۔ کسی نے چندہ جمع کرلیا۔ کسی نے دے دیا۔ کسی نے موج کرلی کوئی جیب کتوا کر چلا گیا۔ یہاں کام کرنے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرنا پڑتا ہے اور ساتھ دوسروں کو بھی دعوت دینی پڑتی ہے۔ یہ مشکل ہے لیکن

مشکل تب تک ہے جب تک اللہ سے، اللہ کے حبیب ﷺ سے مشائخ سے تعلق نہ ہو۔ جب یہ نسبت نصیب ہوتی ہے، یہ رشتہ بن جاتا ہے۔ تو اس میں اتنی لذت ہوتی ہے کہ مشکلیں مشکل نہیں رہتیں۔ تو اپنے رشتے کو مضبوط کرو اس پہ محنت کرو۔ مجاہدہ کرو۔ اور اگر واقعی انقلاب لانا چاہتے ہو تو لوگوں کے دل زندہ کر دو۔ انقلاب خود بخود آجائے گا۔ یہ قتل و غارت گری، بم پھوڑنے سے، لوگوں کو قتل کرنے سے انقلاب نہیں آئے گا، یہ تباہی آئے گی۔ پوری قوم، پورا ملک خانہ جنگی کی طرف جا رہا ہے اسے ایجنسیاں نہیں روک سکتیں۔ اسے پولیس نہیں روک سکتی اس پر فوج قابو نہیں پا سکتی، اس پر توبہ قابو پا سکتی ہے۔ یہ خدائی عذاب ہے اللہ کے عذاب، فوجوں سے اور ایجنسیوں سے اور طاقت سے، بندوق سے نہیں رکتے آگ سے آگ نہیں بجھائی جاتی۔ گولیاں چلانے سے گولیاں نہیں رکتیں یہ اللہ سے رجوع کرو، توبہ کرو، اپنے کردار کی اصلاح کرو کہ اللہ کریم کا یہ عذاب ہم سے اٹھ جائے۔ اللہ کریم خوش حالی بھی دے، خوش بختی اور خوش نصیبی بھی دے۔ صحت ایمان نصیب ہو اور صحت اعمال نصیب ہو تو آج کی میری گزارشات صرف یہ ہیں کہ جو احباب انفرادی طور پر پوچھتے ہیں انہیں میں اجتماعی طور پر بتا دوں کہ آپ ایک جماعت میں ہیں یہ عظیم جماعت ہے تاریخ کی، ہر عہد میں رہی ہے، ہمیشہ رہے گی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کو اللہ نے اس جماعت میں شامل فرمایا تو آپ اس کا کام کیجئے اور انقلاب لائیے وہ انقلاب اسلامی انقلاب ہوگا جو دلوں کی حیات سے آئے گا

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دوسری بیعت

اگر پیر فوت ہو جائے تو کیا دوسری جگہ بیعت جائز ہے؟

بیعت بجائے خود مقصد نہیں، بلکہ ایک مقصد کے لئے ایک ذریعہ، مقصد ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا اور بیعت ذریعہ ہے تاکہ ایک کامل کی شاگردی اختیار کر کے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرتا رہے اور ترقی کرتا چلا جائے۔ اگر پیر کے فوت ہو جانے پر آدمی کوئی دوسرا استاد تلاش نہ کریگا۔ تو ظاہر ہے کہ اول تو اپنا نقصان یہ ہے کہ اس کے پیش نظر رضائے الٰہی کا حصول نہیں۔ بلکہ شخصیت پرستی کا شکار ہے۔ (دلائل السلوک)

نبی اکرم ﷺ کی کامل اتباع کے بغیر ولایت کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کے اتباع سے بے نیاز ہو کر ولایت کا دعویٰ کرے۔ تو وہ یقیناً جھوٹا ہے اور ناقابل اعتبار ہے۔ (حضرت مولانا اللہ یار خانؒ)

جن کی حیات روح پر موقوف ہو وہ روح نکلتے ہی مر جاتا ہے اور جس کی حیات کا دار و مدار اللہ پر ہو وہ کبھی نہیں مرتا۔ بلکہ طبعی زندگی سے حقیقی زندگی حاصل کر لیتا ہے۔

(حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

کشف

ہر کشف و الہام کو کتاب و سنت کے سامنے پیش کیا جائیگا اگر وہ وحی قطعی سے متصادم ہے تو مردود ہے اور اگر کتاب و سنت کے مطابق ہے تو صاحب کشف کو یقین رکھنا چاہیے کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ (دلائل السلوک)

خوشخبری

حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرّم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care
Rs.300
کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے

پین گو
Pain Go
Rs.100
ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیر گارڈ آئل
Hair guard Oil
Rs.500
بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

Cough Ez
Rs.30
کھانسی کیلئے گولیاں

ملنے کا پتہ:۔ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون 0543-562200
17-اویسیہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-5182727

بندۂ مومن اور بعثتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ماہانہ اجتماع مارچ 2009ء امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بمقام: دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ؕ﴿۲۸﴾ (الفتح۔ آیت 28)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا

عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

اللہ کریم کی کائنات میں اس کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ہر چیز اور ہر ذرہ اپنے سفر پر رواں رہتا ہے۔ اور یہ سفر ہر لحہ جاری رہتا ہے۔ کتنی چیزیں تھیں جو کل نہیں تھیں لیکن وہ آج موجود ہیں۔ کتنی چیزیں تھیں جو کل موجود تھیں آج نہیں ہیں۔ کتنے لوگ کل تھے جو آج ان کی یاد بھی نہیں ہے اور کتنے لوگ ہیں جو کل نہیں تھے اور آج صفحۂ ہستی پر نظر آتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسلسل عمل ہے جو شمار نہیں کیا جا سکتا کہ کتنے افراد پیدا ہوئے اور کتنی اموات ہوئیں اور مخلوقات میں صرف نسل انسانی ہی نہیں اللہ کی ان گنت دیگر مخلوقات ہیں۔ گھاس کے تنکے سے لے کر تناور درختوں تک، کیڑے، مکوڑوں سے لے کر قد آور جانوروں تک ایک وسیع نظام ہے جس میں ہر لمحہ تخلیق باری جاری ہے۔

کفار جب کہتے تھے کہ بندہ مر کر مٹی میں مل جاتا ہے، ہڈیاں بوسیدہ ہو جاتی ہیں خاک ہو جاتی ہیں تو یہ دوبارہ کیسے کھڑا ہوگا؟ قرآن حکیم نے اس کا جواب مختصر سا جواب دیا ہوا تھا۔

کہ کیا تم نے صنعت باری تعالیٰ کو نہیں دیکھا؟ جو چیزیں نہیں ہیں اور پھر بن جاتی ہیں انہیں کون بناتا ہے؟ کائنات کی تخلیق سے لے کر آج تک کے مسلسل عمل کو کون چلا رہا ہے؟

سب سے پہلے کائنات بنی پھر اس پر پہلی مکلف مخلوق آدم سے دو ہزار سال پہلے آباد ہوئی وہ جنات تھے۔ پھر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ افروز ہوئے جنوں اور انسانوں سے پہلے جو کائنات بنی اس کے بنانے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ترتیب رکھی کہ دو دنوں میں آسمان اور اس میں بسنے والی تمام مخلوقات پیدا فرمائیں اور چار دنوں میں زمین اور اس کے متعلقات دریا، سمندر، پہاڑ، بہتے چشمے، ذرات زمین اور شجر و حجر و دیگر زمینی مخلوقات پیدا کیں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ رب جلیل تو آن واحد میں پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے۔ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ (سورۃ یٰسین آیت 82) تو اسے صرف حکم دیتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے تو پھر تخلیق کائنات میں اتنا وقت لگنے کی مصلحت کیا ہے؟

اس میں قدرت باری نے خود ہی ایک قانون رکھا ہے کہ ہر کام کسی فعل کے نتیجے میں ہوگا۔ ہر شئے کسی سبب سے کسی کے کرنے سے ظہور پذیر ہوگی کیونکہ اس نے دار دنیا کو دارالعمل بنایا ہے اور یہاں کسی بھی نتیجہ خیز کام کے لئے اسباب ظاہری کا استعمال ناگزیر رکھا ہے۔ اور اپنے بنائے ہوئے قوانین پہ اس کی اپنی قدرت کاملہ بھی عمل فرما ہے وہ کسی کا پابند نہیں لیکن اپنے بنائے ہوئے اصولوں پر اس کی اپنی قدرت کاملہ بھی خود عمل کرتی ہے۔ عیسیٰ کو بغیر والد کے پیدا فرمایا اس کی قدرت ہے لیکن انہیں بھی بغیر سبب کے پیدا نہیں فرمایا۔ جبرئیل کو حکم دیا کہ وہ جا کر حضرت مریم کو دم کر دیں حالانکہ توالد و تناسل کسی دم کا محتاج نہیں۔ قانون فطرت پہ عملدرآمد کا نتیجہ ہے لیکن چونکہ حضرت عیسیٰ کی خرق عادت پیدائش قدرت باری کے ظہور کے لئے تھی لیکن یہ ظہور دار دنیا اور دارالعمل میں ہوا جہاں اللہ کا اپنا بنایا ہوا اسباب ظاہری کا قانون جاری رکھنا مقصود تھا اس کے لئے کوئی کوئی ظاہری سبب چاہیے تھا لہٰذا حضرت جبرئیل کا دم سبب بنایا گیا۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے افراد اور اشیاء منصۂ شہود پر آتی ہیں اپنا اپنا کام کرتی ہیں اور چلی جاتی ہیں کہاں جاتی ہیں؟ یہ بڑا عجیب سوال ہے جس پر کم ہی غور کیا جاتا ہے۔ فنا پذیر کائنات ایک آبشار کی طرح گر رہی ہے کسی گہری کھائی میں کسی تاریک غار میں جو گرنے کے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ نگاہوں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ آخر یہ کہاں جا رہی ہے؟ اتنے اہم سوال کا جواب آج تک نہ کوئی فلسفی دے سکا نہ سائنسدان نہ دانشور نہ نکتہ دان۔ اس کا جواب صرف انبیاء نے دیا اور صرف یہی نہیں بتایا کہ کہاں جا رہی ہے بلکہ یہ بتایا کہ مخلوق کہاں سے آ رہی ہے۔

سائنس بہت طاقتور علم ہے مشاہدے تجربے اور تحقیق کے ذریعے بہت مفید کام ہوتے ہیں لیکن سائنس کی تحقیق کی انتہا اسی موضوع پر رہتی ہے کہ نطفے سے بچہ کیسے بنتا ہے۔ اس کی حیات اور اس کے متعلقات پر بحث ہوتی ہے لیکن بچے میں روح کہاں سے آتی ہے اور پھر مرنے کے بعد روح کہاں جاتی ہے یا روح ہے کیا؟ اس کے بارے میں سائنس کا علم لاچار ہے۔ بلکہ ایک عرصہ تک سائنسدانوں نے روح کا انکار کیا۔ جب سے پیوندکاری کا دور آیا ہے اور انسانی اعضاء کی پیوندکاری کی تحقیق ہوئی تو سائنس کو ماننا پڑا کہ روح ہے۔ جب مرنے والے کی آنکھیں کسی زندہ شخص کے وجود میں پیوند کی گئیں اور اسے نظر آنے لگا تو اس سے یہ سمجھا گیا کہ کوئی چیز ہے جو مرنے والے میں نہیں رہی تھی اور جو زندہ میں ہے اس طرح سائنس کو ماننا پڑا کہ انسان صرف جسم نہیں بلکہ روح بھی ہے۔ لیکن اس کے بعد کے تمام سوالات کہ روحیں کہاں سے آتی ہیں؟ کیسے آتی ہیں؟ جب روح بدن میں نہیں رہتی تو کہاں جاتی ہے؟ اور آدم سے لے کر آج تک ہماری نظروں کے سامنے کتنے ہمارے بزرگ بھائی اور ہمارے بچے جو ہمارے بعد دنیا میں آئے اور چلے گئے۔ وہ کہاں چلے گئے؟ خود ہم اسی سفر پر رواں دواں ہیں۔ ہم نے بھی اپنا بچپن گزارا، لڑکپن دیکھا، جوانی دیکھی، بڑھاپا آ گیا ہے۔ پہلے سارا دن اور ساری رات پہاڑوں پہ پیدل چلا کرتے تھے کوئی شے رکاوٹ نہ بنتی تھی اب کمرے سے اٹھ کر باہر آنا تو سہارے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ کیا ہوا؟ وہی انسان ہے۔ وہی اعضاء ہیں۔ وہی قد کاٹھ ہے اور اب یہی قد کاٹھ مصیبت بن رہا ہے۔ انسان کو یہ کیا ہو جاتا ہے؟ یہ وہ باتیں ہیں جو دانشوروں، نکتہ دانوں، سائنسدانوں، محققین اور فلاسفر سب کی رسائی سے بالاتر ہیں۔ انسانی تحقیقات کا دائرہ انسان کے ظاہری وجود اشیاء ظاہری کے وجود پر محیط ہے۔ کہ کس شئے میں کون کون سے عوامل کارفرما ہیں؟ اس کی ماہیت، جسمانیت، افعال ظاہری کے بارے میں معلومات پر بات ہوتی ہے لیکن اشیاء کو، انسان کو کس نے بنایا؟ وہ

کیوں مٹ گیا؟ مٹ کر کہاں چلا گیا؟ وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ عدم سے آیا تھا تو کیا وہ معدوم ہو گیا؟ معدوم ہو کر کہاں چلا گیا؟ اسے کون عدم سے لایا؟ کیوں لایا؟ اس کے آنے کا سبب کیا تھا؟ اگر وہ یہاں آیا تھا تو اس کے یہاں آنے کی ضرورت کیا تھی؟ اس کا یہاں فریضہ کیا تھا؟ اور چلا گیا تو کیوں چلا گیا؟ اس سوال کا جواب آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر عیسیٰ تک اپنے اپنے وقت میں ہر نبی اور ہر رسول نے دیا۔

نبی کریم ﷺ کے ذریعے خود ذاتِ باری نے اس فلسفے کو یوں سمیٹا کہ تمام سوالوں کے جواب اسی ایک بات میں آ گئے کہ ذاتِ باری نے اللہ کریم نے اپنے بارے میں فرمایا "میں ہی خالق ہوں، میں وہ ہستی ہوں جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، جس کی شان کی کوئی حد نہیں، جس کی قدرت کاملہ کو زوال نہیں، میں ہی ہر ذرے کو حیات بخش رہا ہوں، میں ہی ہر ایک کو موت دیتا ہوں، میں نے اپنی ہر مخلوق کی تخلیق کا ایک مقصد رکھا ہے اور ہر ایک کی ذمہ داری لگائی ہے، ہر ذرے کی ایک ذمہ داری ہے اور ہر مخلوق جب دنیا میں تخلیق ہوتی ہے تو اسے میرے پاس ہی جواب دہی کے لئے حاضر ہونا ہے اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنی ذمہ داری ادا کی؟ جتنی کسی کی عظمت ہے اتنی بڑی اس کی ذمہ داری ہے اور کائنات میں موجود ہر تخلیق ذمہ دار بنائی گئی ہے۔ ہوا کا ہر جھونکا ذمہ دار ہے، برسنے والی بارش کا ہر قطرہ ذمہ دار ہے، ہر تنکا، ہر پھول کی ہر پتی اور شجر و حجر سب اپنی اپنی جگہ ذمہ دار ہیں لیکن یہ تمام مخلوقات با اختیار نہیں۔ جسے جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے وہ وہی کام کرتا ہے اس کے پاس نہ کرنے کا اختیار نہیں۔ ہر قطرہ بارش کو وہیں پہنچنا ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ پھر درجہ اس مخلوق کا آتا ہے جسے پسند و ناپسند کا اختیار دیا گیا ہے وہ مخلوق چار قسم کی ہے۔ اول ملائکہ یہ نوری مخلوق ہے۔ ان کا نہ کوئی نسب ہے نہ بھوک، پیاس، تھکاوٹ جیسے عارضے انہیں لاحق ہیں۔ ان میں انکار کا مادہ بھی نہیں۔ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ (سورۃ التحریم آیت 6) جو حکم ملتا ہے وہ اسے بجا لاتے ہیں یہ سراپا نیکی ہے۔ دوم شیاطین یہ اگرچہ جنات میں سے ہیں لیکن ایک منفرد مخلوق ہیں۔ ابلیس کے انکار کے بعد اسکے مردود ہونے اور اس کے ملعون ہونے کے بعد اس سے نیکی کی توفیق سلب ہو گئی ہے۔ اب اسے ہمیشہ برائی ہی کرنا ہے وہ نیکی کر ہی نہیں سکتا۔ جس طرح ملائکہ غلطی نہیں کر سکتے اسی طرح یہ درست نہیں کر سکتا۔ تیسری مخلوق جنات ہیں۔ جنات کے بارے میں قرآن حکیم میں یہ خبر تو ملتی ہے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کریں گے تو انہیں عذاب سے نجات مل جائے گی لیکن انہیں دوام نہیں اور دخول جنت کی ان کے لئے بشارت کہیں نہیں ملتی۔ جنوں کی زندگی عارضی ہے۔ جو کفر کرے گا وہ اپنے کفر کے درجے تک جہنم میں رہے گا گناہ کی اور جرم کی سزا پائے گا لیکن جو نجات پائے گا اسے عذاب سے بچا کر معدوم کر دیا جائے گا۔ جو جنات سزا یافتہ ہوں گے ان کی سزا بھی ایک دن ختم ہو جائے گی خواہ وہ لاکھوں صدیاں سزا پاتے رہیں ایک دن سزا ختم ہو جائے گی اور وہ معدوم کر دیئے جائیں گے اور چوتھی مخلوق انسان ہیں۔ اللہ کی قدرت کا شاہکار ہے جس کے بارے میں اللہ پاک فرماتے ہیں لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (سورۃ التین 4) ہم نے انسان کی تخلیق بہت بہترین انداز میں کی ہے۔ انسان اللہ کی ایسی عجیب مخلوق ہے کہ اس کا جسم مادی ہے اور روح علوی۔ انسانی وجود مادی ہے۔ آگ، مٹی، ہوا اور پانی سے مل کر بنا ہے۔ ان مادی اجزاء کے ملنے سے نفس انسانی بنتا ہے اور اس مادی وجود میں روح عالم امر سے آتی ہے۔ مادہ کثیف ترین شے ہے اور روح لطیف ترین شے ہے۔ روح کے سبب ہی انسان کے لئے معرفت الٰہی کا حصول ممکن ہے جس کے نتیجے میں وہ بہترین اور آسودہ زندگی بسر

کرتا ہے۔ لیکن روح کا جوڑ مادے سے کیسے لگایا گیا؟ یہ بات سمجھنا انسانی علم سے بالاتر ہے اسی حقیقت کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت 85) فرما دیجئے کہ روح امر ربی میں سے ہے۔ عالم امر وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں مخلوق کی حد ختم ہو جاتی ہے۔ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (سورۃ الاعراف آیت 54) عالم خلق بھی اسی کا ہے اور عالم امر بھی اسی کا ہے۔ امر صفات باری میں سے ہے۔ جہاں تمام مخلوقات کی، عرش وفرش کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اس کے اوپر عالم امر شروع ہو جاتا ہے چونکہ عالم امر صفات باری میں سے ہے لہٰذا اس پر نہ بڑھاپا ہے نہ کمزوری اور نہ ہی موت۔ اس میں دوام ہے۔ اس لئے کہ جس طرح اللہ کی ذات کو دوام ہے اسی طرح اس کی صفات کو بھی دوام ہے۔

انسانی وجود تو مادی عناصر سے بنا تھا جسے بکھرنا تھا۔ لیکن اس میں روح داخل کر دی گئی۔ اس کے ساتھ روح کا جوڑ لگا دیا گیا تو اس نہ ٹوٹنے والے جوڑ کے باعث خالق کائنات نے اسے بھی ہمیشگی عطا کر دی اب روح جب دنیا میں وجود کے ساتھ ہوتی ہے تو ہمیں اس کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ہم اس کی کوئی بات نہیں سنتے تو پھر ہمیں کیسے پتہ چلے کہ روح کیا ہے؟ کیسی ہے؟ اس کی ضروریات کیا ہیں؟ ہمارے سامنے تو مادی بدن ہے اس کی ضروریات تو ہمیں بچپن میں والدہ سکھا دیتی ہیں۔ والدین اور بہن بھائی سکھا دیتے ہیں۔ ذرا بڑے ہو جائیں تو سکول اور اساتذہ کتابیں اور معاشرہ سکھا دیتا ہے۔ پھر ہم ماہر بن جاتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی پروفیسر بن جاتا ہے اور کوئی محقق بن جاتا ہے، کوئی سائنسدان اور کوئی ڈاکٹر۔ ہم بدن کے ایک ایک ذرے کے بارے جستجو کر لیتے ہیں لیکن روح انہی ذرات بدن میں ہم سے پوشیدہ رہتی ہے۔ اس لئے کہ دار دنیا میں براہ راست مکلف بدن ہے اور روح اس کے تابع رہتی ہے۔ ہم اس ظاہراً نظر آنے والے وجود بدن کو بہترین غذا دے کر نرم گرم بستروں میں سلا کر اس کا علاج کر کے اسے سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں اور جب اس کا وقت تمام ہوتا ہے تو یہ راستہ چلتے ہوئے بکھر جاتا ہے۔ گھر بیٹھے بیٹھے موت کی نذر ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس اس کی بات کی کوئی سند نہیں کہ یہ کس لمحے بکھر جائے گا۔ حالانکہ ہم پوری زندگی اسکی پرورش وحفاظت میں گزار دیتے ہیں اور اس بدن کے پیچھے پوشیدہ روح کا پتہ ہی نہیں کرتے کہ اس کی پرورش اس کی حفاظت اس کی قدر وقیمت کیا ہے؟ اور ہمیں روح کے بارے میں بتا بھی کون سکتا ہے؟ اس سارے نظام پر غور کیا جائے تو ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنا پیچیدہ نازک اور وسیع نظام ہے کہ ایک ایک ذرہ دوسرے ذرے سے جڑا ہوا ہے اور اتنا مضبوط جوڑ ہے کہ جسے الگ کرنا ممکن نہیں۔ تو اس سب کا خالق کون ہے اس کا سنبھالنے والا کون ہے؟ ان حقائق کا جواب اللہ کریم نے اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کے ذریعے دیا کہ ان حقیقتوں کو جاننا چاہتے ہو تو جان لو کہ وہ میں ہوں جس نے اپنا رسول مبعوث فرمایا۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ قرآن حکیم میں جا بجا اللہ کریم نے اپنے احسانات اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا جس نے تمہارے لئے نعمتیں پیدا کیں۔ لیکن اس آیت مبارکہ میں اللہ نے اپنی ذات کا تعارف کروایا ہے اور جب سوال اس کی ذات کا ہوا کہ کائنات کا، روح کا خالق کون ہے؟ آخر وہ ہستی کون ہے جس نے اتنا بڑا نظام ترتیب دیا اور اسے چلا رہا ہے اور جس کی ایک کڑی ہم ہیں ہماری چہل پہل کیا ہے؟ ہمارے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ فرمایا: جاننا چاہتے ہو تو جان لو وہ ذات میں ہوں جس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یعنی چوتھی قسم کی جو مخلوق ہے اس کی یہ خصوصیت ہے کہ صرف وہ یہ

سوال کرنے کی استعداد سے نوازی گئی ہے کہ اس کائنات کے بنانے والا کون ہے؟ اس خصوصیت کی وجہ سے وہ مخلوق ساری کائنات سے بڑھ گئی ہے ورنہ یہ سوال کوئی دوسری مخلوق نہیں کرسکی۔ اس کی جرأت ہی کسی میں نہیں۔ یہ سوچ ہی کسی کو نہیں دی گئی۔ ایسی استعداد ہی کسی اور مخلوق میں نہیں ہے۔ نہ جنات میں نہ فرشتوں میں حتیٰ کہ حاملین عرش، فرشتے بھی حکم کی تعمیل کرتے ہیں یہ سوال نہیں کرسکتے کہ حاکم کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ کوئی بھی ایسا سوچ ہی نہیں سکتا سوائے انسان کے صرف انسان کو یہ استعداد بخشی گئی ہے اور یہ جتنی بھی بات فضیلت کی حامل ہے، اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ انہوں نے یہ امانت کسی مخلوق سے چھپا کر انسان کو نہیں دی۔ ایسا نہیں کہ دوسری مخلوق کو کانوں کان خبر نہ ہو اور انسان کو یہ خصوصیت دے دی جائے بلکہ اللہ نے یہ امانت زمینوں، آسمانوں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں تک پر پیش کی سب کو دعوت دی کہ اسے قبول کرلو سب نے عرض کی کہ وہ یہ بوجھ برداشت نہیں کرسکتے۔ انسان نے سینہ ٹھونکا اور کہا کہ اسے قبول ہے اس کے اس فیصلے کے انداز پر قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (الاحزاب 72) اس آیت مبارکہ میں انسان کو ان معنوں میں جاہل کہا گیا ہے کہ وہ جانتا نہیں لیکن جاننے کا مدعی بھی ہے۔ ورنہ عرف عام میں جاہل سے مراد ان پڑھ لیا جاتا ہے۔ درحقیقت جاہل وہ ہے جو اس بات کے جاننے کا دعویٰ کرے جو وہ نہیں جانتا۔ فرمایا کہ انسان میں جہالت بھی ہے کہ جو نہیں جانتا اسکے جاننے کا بھی مدعی ہوتا ہے اور جلد باز بھی ہے جلدی میں کام غلط بھی کر جاتا ہے۔ ظَلُوْمًا سے مراد ہے جو نہ کرنا چاہے وہ بھی کر جاتا ہے۔ سو اپنی جلد بازی اور اپنے زعم میں کہ وہ جانتا ہے اس نے سینہ ٹھونکا اور کہا اللہ مجھے دے دیں اور اللہ فرماتے ہیں میں نے اسے عطا کردیا اور انسان کو بار امانت مل گیا اس نے معرفت باری جیسی نعمت کو پالیا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس بندے کے اندر یہ سوچ بیدار ہی نہیں ہوتی کہ وہ کون ہے؟ جس نے اسے پیدا کیا ہے؟ وہ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جارہا ہے؟ اس کا مطلب ہے ایسا شخص انسانی درجے کو پہنچا ہی نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح غذا، آرام توالد و تناسل اور بیماری و موت کے مراحل تک ہی رہا۔ انسانی نسل میں ہونے کے باوجود انسانی ذمہ داریوں کا مکلف ہونے کے باوجود اس نے انسانیت میں قدم ہی نہیں رکھا کہ جس کا قدم انسانیت میں آئے گا اس کا پہلا سوال یہ ہوگا کہ اس کا بنانے والا کون ہے؟ کہاں ہے؟ جن انسانوں کے اندر یہ سوال اٹھا ان کے لئے اللہ نے جواب عطا فرما دیا کہ میں ہی وہ ذات ہوں اور تمہارے سارے سوالوں کا جواب ایک ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ جو پوچھنا چاہتے ہو ان ﷺ سے پوچھ لو! کائنات کیسے بنی؟ کیوں بنی؟ ذرے کا ذرے سے کیا تعلق ہے؟ وجود کے حقائق معلوم کرنا چاہو یا روح کے ان سب سوالوں کا ایک جواب ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ۔ اللہ کی ذات سے آشنائی صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ممکن ہے۔ خالق و مالک کون ہے؟ کیسا ہے کہاں ہے؟ انسان کی کیا ہستی ہے؟ اس کی ذمہ داری کیا ہے؟ مخلوق کہاں سے آرہی ہے؟ کہاں جارہی ہے؟ ہر سوال کا جواب صرف محمد رسول اللہ ﷺ سے مل سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت عالی سے پہلے جن سوالوں کے جواب دینے کے لئے حکماء، دانشور فلسفی اور محقق سر پکڑ کر رہ گئے ان کا جواب آپ ﷺ نے دو جملوں میں ایسا دیا جو مکمل ترین ہے اور مختصر ترین اور نہایت آسان۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا اور فلسفیوں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یہ بنی آدم کے لئے اساس ہے لیکن بنی آدم میں سے انسان کے درجے پر وہی پہنچا جسے اسلام نصیب ہوا اور جسے نور ایمان

نصیب نہیں ہوا ان کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ یہ تو چار پایوں کی طرح ہیں بَلْ هُمْ اَضَلُّ بلکہ ان سے بھی گئے گزرے (الاعراف 179) کہ جانوروں کو تو معرفت الٰہی کی استعداد ہی نہیں ملی تھی اور یہ فطرتاً اس استعداد سے نوازے گئے اور پھر بھی جانوروں کی سطح پر زندگی بسر کر کے چلے گئے۔ انسانیت میں تو وہی شمار ہوتا ہے جسے نورِ ایمان نصیب ہوتا ہے نورِ ایمان کیا ہے؟ محمد رسول اللہ ﷺ پر اعتبار کرنا ان ﷺ پر اعتماد اور اس کے حصول کا سبب بھی حضور اکرم ﷺ سے تعلق بنانے سے ہی ہے۔

یہ قوموں کی تاریخ ہے کہ جب اقوام زوال پذیر ہوتی ہیں تو اپنے اصل مقام کو چھوڑ کر اس کے نزدیک نزدیک منازل بنا لیتی ہیں اور یہی ان کے زوال کی علامت ہے۔ اللہ کریم نے ہمیں اپنی منزل توحید باری تعالیٰ بتائی ہے اور اپنا تعارف اپنی ذات تک پہنچنے کا ذریعہ بعثت رسالت بتایا ہے۔ سو ہماری منزل ہے محمد رسول اللہ ﷺ، ہماری منزل ہے بعثت رسالت۔ ہمارے تمام سوالوں کا جواب بعثت رسالت میں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء آیت 80) کہ تم پیروی و غلامی کرلو محمد رسول اللہ ﷺ کی تو تم نے اللہ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا۔

جب توحید باری کو عملاً ثابت کرنا ہو تو بندے کو باوجود اختیار حاصل ہونے کے اسے وہ راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس پر نقوش کفِ پائے محمد رسول اللہ ﷺ ہوں تو مسلمان کی کامیابی اپنی پسند سے دستبردار ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کی پسند میں ڈھل جانا ہے۔ مسلمان کی منزل یہ ہے لیکن ہماری مسلمانی میں یہ ہمت اور حوصلہ نہیں رہا ہم نے کہا ہم کلمہ گو ہیں کلمے کو ماننے والے ہیں لیکن عملاً ہم نے وہ کھانا ہے جسے حضور اکرم ﷺ نے حرام کیا ہے اور جسے حضور اکرم ﷺ نے حلال کیا وہ ہم سے ہو نہیں سکتا۔ اور ہم تو اب اللہ کے آگے سجدے دینے سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔

اللہ کے نبیوں کی تو شان ہی بہت بلند ہے۔ اللہ کے سارے نبی، سارے رسولؑ، تمام اولوالعزم پیغمبر علیہ السلام سب اللہ کے مقرب تھے۔ ہر نبی کمال معرفت لے کر مبعوث ہوا اور اللہ کی مخلوق میں معرفت الٰہی بانٹتا رہا حق کی شان تو جدا ہے نبیؑ پر ایمان لانے والے کی نبی کریم ﷺ کے صحابیؓ کی اتنی عظمت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک صحابیؓ مٹھی بھر جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور غیر صحابی اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرتا ہے تو عنداللہ صحابی کے مٹھی بھر جو کا اجر زیادہ ہے اس لئے کہ صحابیؓ کا خلوص، اس کا اللہ کے ساتھ تعلق، اس میں اطاعت الٰہی کا جو جذبہ ہے وہ غیر صحابیؓ میں ہو نہیں سکتا۔ اگر نبی کریم ﷺ کے صحابیؓ کا یہ مقام ہے تو انبیاءؑ کا مقام کیا ہوگا؟

حضور اکرم ﷺ کی تو شان یہ ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء 107) کہ آپ ﷺ تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں اور عالمین میں سارے انبیاءؑ اور سارے رُسل شامل ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سب کے لئے رحمت باری ہیں۔ تمام انبیاءؑ کو اپنے اپنے زمانوں میں اللہ کی رحمت بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ ہی ملتی رہیں۔ لیکن اپنے مبارک وجودوں کے ساتھ اس دارِ فانی میں انہوں نے حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنے کا موقع نہ پایا وہ تو اپنے وقت پر آئے اور چلے گئے لیکن حضور اکرم ﷺ کا اتباع اللہ کی اتنی بڑی نعمت تھی کہ اللہ نے اپنے پیاروں کو اپنے نبیوںؑ کو رسولوں کو شب معراج یہ موقعہ عطا فرما دیا۔ شب معراج آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک تمام انبیاءؑ و رسُل کی مقدس جماعت کو اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی صحبت عالی سے فیض یاب کرنے کے لئے برزخ سے بیت المقدس لے آئے۔ ان سب ہستیوں کو جو اپنے اپنے وقت میں اللہ کی معرفت بانٹنے اور مخلوق کو ہدایت پہنچانے کا کام کرتے رہے، اللہ کے بندوں کو واصل باللہ کرنے کے لئے کوئی شہید ہو کر اپنی

منزل پر پہنچا اور کسی کو کسی اور طرح سے دار بقاء کو سدھارتا ہوا ان سب کو وہاں سے واپس لوٹایا گیا کہ دو رکعت ہی سہی لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں صلوۃ ادا کریں۔ حضور اکرم ﷺ کے اتباع میں سجدہ وہ نعمت ہے جو ہمیں قیامت تک کے لئے نصیب ہے لیکن ہم سے وہ سجدہ نہیں ہوتا ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے یہ سجدہ ہمارے لئے بوجھ بن گیا ہے۔

جس ہستی کا ایک ایک عمل، طرزِ عبادت، طرزِ حیات، جس کا رکوع وسجود اتنا عظیم ہو کہ انبیاءؑ ورسل ﷺ مقبولانِ بارگاہ الٰہی، وہ اولوالعزم رسول جو اللہ سے ہمکلام ہوتے تھے، وہ رسولؑ جن کے لئے تجلیات باری نازل ہوتی تھیں وہ رسولؑ جن کی ایک بددعا سے اللہ نے پوری قوم غرق کردی، وہ رسولؑ جن کی مدد کو فرشتے نازل ہوئے، وہ نبیؑ جو اللہ کے مقرب تھے، وہ جو جہان میں اللہ کا نور بانٹتے تھے۔ انہیں بھی یہ ضرورت پیش آئی کہ وہ دو رکعت ہی سہی حضور اکرم ﷺ کی اقتداء میں صلوۃ ادا کرنا نصیب ہو۔ یہ ان کی زندگی کا وہ حسین تحفہ ہے جو اللہ نے انہیں عطا فرمایا کہ میدانِ حشر میں ان علیہم السلام کے پاس بھی اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کا تحفہ ہونا چاہیے۔

ہمارے لئے ساری زندگی کے لئے اتباع رسول اللہ ﷺ کا راستہ کھلا پڑا ہے لیکن یہ ہم پر بوجھ بن گیا ہے جس شخص کو ہیروں کی نہ پہچان ہو، نہ قدر ہو، اسے ہیرے لدوا دیں تو ہیرے ہی اس کے لئے بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس کے لئے تو برابر ہے کہ اس پر ایک من ہیرے لدے ہوں یا ایک من پتھر۔ وہ انہیں بوجھ سمجھ کر ہی ڈھو رہا ہوتا ہے اور جو جانتا ہے کہ ہیرا کیا ہے؟ اسے آپ ایک چھوٹا سا ہیرے کا ٹکڑا ہی دے دیں تو اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ بات جاننے کی ہے۔ جو جانتے ہیں وہ آپ ﷺ کی ایک ایک حرکت وسکوت پر نچھاور ہوتے ہیں۔ اس راستے میں جان دینی پڑے تو بھی وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سودا سستا ہے۔

ہم پر بھی جب زوال آیا تو وجہ یہی ہے کہ ہم نے بعثت عالی کی بات کرنا چھوڑ دی ہے کہ اس کا تذکرہ کرنے سے حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرنا پڑتا ہے۔ جس نعمت کی تقسیم کے لئے انبیاءؑ ورسلؑ کو برزخ سے وارد دنیا میں لایا گیا۔ وہ نعمت اتباع محمد رسول اللہ ﷺ کی نعمت ہمارے لئے بوجھ بن گئی ہے۔ اور ہم صرف ولادت باسعادت ہی کی بات پر خود کو روک لیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت پر بات کرنا اچھی بات ہے۔ آپ ﷺ کا ہر تذکرہ عبادت ہے لیکن کیا ولادت باسعادت کی خوشی صرف مسلمانوں کے لئے ہے؟ حضور اکرم ﷺ تو رحمۃ العالمین ہیں۔ عالمین میں اللہ کے علاوہ ساری کائنات شامل ہے۔ بعثت عالی سے پہلے تمام زمانوں کو تمام تجلیات باری کو جو زندگی ملی شعور ملا، سورج، ہوا، پانی، آسمانوں، زمینوں، چاند، ستاروں کو آسمانی وزمینی مخلوقات کو عرش وکرسی کو جو جو ملا وہ سب رحمت الٰہی ہے اور اللہ نے اپنی تمام رحمتوں کو مجسم کردیا۔ بصورت محمد رسول اللہ ﷺ گویا رحمت باری اور تمام مخلوقات کے درمیان ایک کڑی ہیں محمد رسول اللہ ﷺ۔ یہ مادی نعمتیں تو حضور اکرم ﷺ کی ولادت سے پہلے بھی کائنات کو حضور اکرم ﷺ کے وسیلے ہی سے ملیں اور جب حضور اکرم ﷺ دنیا میں جلوہ افروز ہوئے تو جہان نے بے شمار نعمتیں پائیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں کہ اجتماعی عذاب ختم ہوگئے، لوگوں کی صورتیں مسخ ہونا بند ہوگئیں، جہاں جہاں حضور اکرم ﷺ قدم رکھتے وہ جگہ گلزار ہوجاتی، جس گھر میں قدم رکھتے وہ بابرکت ہوجاتا، جس جانور پر سوار ہوتے وہ تیز رفتار ہوجاتا اور یہ سارے فوائد ان لوگوں کو بھی حاصل ہوئے جنہوں نے اسلام کا کلمہ نہیں پڑھا، مادی فوائد تو ساری مادی کائنات کو نصیب ہوئے لیکن جو فائدہ بندۂ مومن کو ہوا وہ غیر مومن کو نہیں ہوا۔ ولادت باسعادت سے برکتیں حاصل کرنے کا رشتہ تو ہر

تخلیق باری کا ہے۔ مومن کا رشتہ بعثت عالی سے ہے۔ ولادت باسعادت ہر بنی آدم، جنات، فرشتوں، زمین کے ذرات، پانی کے قطرات اور ہوا کے جھونکوں کو بھی منانی چاہیے کہ وہ اسی رشتے سے متعلق ہیں۔ ہم اتنے نیچے کیوں آجائیں کہ جہاں مومن وغیر مومن کی تمیز کے بغیر فوائد حاصل ہوتے ہوں وہیں رک جائیں ہم حضور اکرم ﷺ سے وہ رشتہ کیوں نہ بنائیں جس کے ذریعے معرفت الٰہی نصیب ہو۔ جہاں جمال باری بھی سامنے ہو اور جمال مصطفوی بھی سامنے ہو۔ یہ ہے بندۂ مومن کا مقام کہ وہ بعثت عالی سے رشتہ رکھے۔

عمر مبارک چالیس برس ہوئی تو آپ ﷺ مبعوث ہوئے۔ گویا ولادت شریف بھی ربیع الاول میں ہوئی اور بعثت عالی بھی ربیع الاول میں ہوئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ جب عمر مبارک چالیس برس ہوگئی تو جبرئیل امینؑ نے آپ ﷺ کو یہ خوش خبری دی کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ اس بشارت کے ساتھ ربیع الاول میں مبعوث ہوگئے۔ پھر اسی سال چند ماہ بعد رمضان المبارک میں نزول وحی کی ابتداء ہوئی۔ بعثت عالی اور نزول قرآن میں چند ماہ کا فرق ہے لیکن ربیع الاول ہو یا رمضان المبارک بندۂ مومن کا رشتہ نبی کریم ﷺ سے کس وجہ سے ہے۔ بندۂ مومن کا رشتہ احکام الٰہی کی فرمانبرداری سے جڑتا ہے اور احکام الٰہی ولادت شریف کے ساتھ نہیں آئے۔ بعثت عالی کے ساتھ آئے۔ ولادت باسعادت سے تو کائنات کے ہر ذرے کا رشتہ ہے اور یہ عمومی تعلق ہے اور بندہ مومن کا اپنے نبی ﷺ سے بعثت کا رشتہ ہے اور یہ خصوصی تعلق ہے تو ہم اپنا منصب چھوڑ کر اپنے مقام کو چھوڑ کر اس عموم پر کیوں رہیں؟ جہاں غیر مسلم بھی کھڑا ہے، کافر و مشرک بھی کھڑا ہے اور ہر ناشکرا بھی کھڑا ہے۔ کہ نہ ماننے والوں کے پاس بھی دولت واقتدار، صحت وحیات اور تمام دنیوی نعمتیں ہیں جو ولادت باسعادت کی برکات کا حصہ ہیں اور مادی نعمتوں کی تقسیم میں بھی ذات باری اور مخلوق میں واحد واسطہ ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ اگلوں کو بھی اسی واسطے سے مادی نعمتیں ملیں اور پچھلوں کو بھی اسی واسطے سے ملتی ہیں۔ لیکن معرفت باری کے حصول کے لئے، اللہ سے آشنائی کے لئے، اللہ کی خلوص کے ساتھ، محبت کے ساتھ، اطاعت کرنے کیلئے ذات باری اور بندہ مومن کے درمیان کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی بعثت عالی کا ہے۔ یہ وہ مقام رفیع ہے کہ یہ مل جائے تو بندہ دنیا وآخرت کی ہر نعمت کو ہیچ سمجھتا ہے۔

میرا یہ پیغام ہے کہ اس مقام کو سمجھو اسے اپناؤ اور لوگوں کو بعثت عالی سے بننے کے تعلق سے آگاہ کرو۔ اس بات کی وضاحت کرو کہ اس رشتے کے کچھ تقاضے ہیں، کچھ آداب ہیں۔

بعثت کی بات ہو تو لازماً احکام الٰہی کی بات ہوگی حضور اکرم ﷺ نے مبعوث ہو کر تمام انسانیت کے سوالوں کے جواب عطا فرمادیے، بتادیا کہ اس وسیع وعریض نظام کائنات کو چلانے والا کون ہے؟ موت وحیات کا مقصد کیا ہے؟ دنیا میں خوبصورت آسودہ قلب ہو کر زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے؟ محشر میں سرخرو ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ حیات ابدی کو پانے کا راستہ کون سا ہے؟ بعثت عالی سے بندہ مومن کا رشتہ ان باتوں سے بنتا ہے اس میں حدود کی پاسداری کرنا ہوتی ہے اور ولادت باسعادت سے چونکہ مومن وغیر مومن مستفید ہوتے ہیں۔ لہٰذا ولادت شریف کے تذکرے میں کوئی نظم وضبط کی بات نہیں۔ کسی پابندی کا، امر ونہی کا، حلال وحرام کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ ذرا سوچیے کیا ولادت باسعادت سے لے کر بعثت عالی تک چالیس برسوں میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہنے والوں، ملنے جلنے والوں میں سے کوئی صحابی بنا؟ کسی کو ذات باری سے آشنائی ہوئی؟ قرآن کی خبر ہوئی؟ کسی کو آخرت کے حساب کتاب کا پتہ چلا؟ کسی کو اللہ کی پسند و ناپسند کی اطلاع ہوئی؟

گناہ وثواب کا پتہ چلا؟

یہ سب تو تب پتہ چلا جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے اور جب مبعوث ہوئے تو ایک نگاہ پاک پانے والا صحابیؓ بن گیا اور قرآن حکیم خبر دیتا ہے کہ ان کے وجود اور قلوب تک ہر ذرہ ذاکر ہو گیا۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ (سورہ الزمر آیت 23) جلد سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر شئے ذاکر ہو گئی۔ آج سائنس اس بات پر پہنچی ہے کہ انسان کے وجود میں ڈھائی کھرب سیل ہوتے ہیں جن کی مدت عمر چھ ماہ ہے۔ ہر سیل اپنی جگہ دوسرا سیل بنا کر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک سال میں بندہ دو گناہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اسی سال زندہ رہتا ہے تو 160 گنا وہ اس کا وجود گزر چکا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی ایک نگاہ پاک سے یہ ڈھائی کھرب سیل منور ہو گئے اور ہر سیل اللہ کے نام سے ذاکر ہو گیا یہ رتبہ صحابیؓ کو کیسے ملا؟ صرف آپ ﷺ کی ایک نگاہ مبارک سے ملا لیکن کب؟ ولادت کے بعد ہی ملنا شروع ہو گیا؟ یا بعثت عالی کے ساتھ عطا ہوا؟ اس کا تعلق بعثت عالی سے ہے اور بعثت عالی سے پہلے ساتھ رہنے والوں کو کیوں نہ ملا؟ ہم مسلمان کیوں کہتے ہیں کہ سب سے پہلی خاتون خدیجۃ الکبریٰؓ ہیں ان کی عمر شریف آپ ﷺ کے ساتھ بسر ہو گئی تھی۔ مردوں میں پہلے مسلمان حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جب کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے بچپن کے دوست تھے۔ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان حضرت علیؓ ہیں انؓ کا تو بچپن آپ ﷺ کے سایہ مبارک میں گزرا تو یہ سب لوگ بعثت سے پہلے کے ساتھ رہے ہیں۔ انہیں کیوں کہتے ہیں کہ یہ بعثت کے بعد پہلے پہلے مسلمان ہیں؟ اس لئے کہ بعثت کے ساتھ ہی اسلام شروع ہوا یہ سارے تب مسلمان ہوئے جب حضور اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ بعثت ہی وہ کمال ہے جو بندے کو اللہ سے آشنا کرواتا ہے۔

اور یہ تمام کمالات آپ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہیں۔ اسی لئے بندۂ مومن کا حضور اکرم ﷺ سے عمومی تعلق ہے۔ ساری کائنات کو وجود سے پرورش تک جو تمام نعمتیں مل رہی ہیں ان میں کائنات اور اللہ کے درمیان واسطہ ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کی ہر عطا رحمت ہے اور آپ ﷺ رحمت مجسم ہیں۔ یہی فرمایا گیا ہے قرآن حکیم میں۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء آیت 107) کیا بندہ مومن کو زیب دیتا ہے کہ وہ اپنا خصوصی تعلق چھوڑ کر عمومی تعلق کے درجے پر کھڑا ہو جائے۔ جہاں پر ناشکرا، کافر و مشرک اللہ کی رحمتوں سے حصہ پانے کے لئے کھڑا ہے۔

ہمارے بچپن میں میلادالنبی ﷺ کے جلسے ہوتے تھے لیکن ان کا انتظام مساجد میں کیا جاتا تھا اور مقرر عالم ہوتے تھے۔ پھر جلسوں کے بجائے جلوس شروع ہو گئے۔ مساجد میں جو جلسے ہوتے تھے ان میں ادب و احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ کوئی باوضو نہ بھی ہوتا تو بھی بات تہذیب سے کرتا تھا۔ سگریٹ نہیں سلگاتا تھا۔ کھانسنے تک سے پرہیز کرتا تھا۔ محفل کا ادب اور مسجد کا احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا۔

جلوس میں بہت آسانی ہے۔ لوگوں نے جوتے بھی پہن رکھے ہیں۔ سگریٹ بھی سلگا رہے ہیں۔ ہر کوئی محفل کے آداب سے عاری ہے۔ نعرے لگ رہے ہیں۔ شور و غل برپا ہے اور طوفان بدتمیزی جاری ہے۔ پھر جشن میلادالنبی ﷺ شروع ہوا۔ جس کا مطلب ہے جس طرح کوئی چاہے اظہار خوشی کرے اس پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے نام پر یہ گستاخانہ جشن خلاف شریعت اور آوارگی کی حدود کو پھلانگنے کی جسارتیں ہیں۔ اور اب بات نقلیں بنانے تک نہیں رہی بلکہ بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ ریڑھوں پر چند کرسیاں رکھی جاتی ہیں اور بظاہر وہ خالی ہوتی ہیں لیکن عقیدہ یہ رکھا جاتا ہے کہ ان پر حضور اکرم ﷺ خلفائے راشدین کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ کیا انہی باتوں کے لئے حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے؟ اور ایسی خرافات کو رواج دینے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ تک نہیں کرتے۔ نام تک نہیں لیتے کہ بعثت کی بات آئے گی تو بات اطاعتِ الٰہی کی ہوگی۔ بعثت کی بات ہوگی تو رخ اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مڑ جائے گا یہ سیکھنا پڑے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبعوث ہو کر کیا فرمایا؟ کیا کرنے کا حکم دیا؟ کس بات سے روکنے کا حکم دیا؟

نادانو! بعثت کی بات کرو گے تو تمہارے سامنے جمال باری ہویدا ہو جائے گا کیوں احکام الٰہی سے ڈر کر ادھر ادھر بھٹکتے ہو؟ اللہ کے احکام بندوں کے لئے رحمت ابدی کا پیغام ہیں۔ لہٰذا احکام کو زرداری کے احکام نہ سمجھو جو صرف مصیبت ہیں نہ یہ وزیراعظم گیلانی کے احکام کی طرح ہیں نہ گورنر پنجاب کے احکام کی مانند ہیں۔ اللہ کے احکام بندوں کے لئے راحت کا سبب ہیں۔ ہم احکام کے لفظ سے ہی ڈر جاتے ہیں کہ ہم نے انہی دنیاوی حاکموں کے احکام کو دیکھا ہے جن کا ہر حکم ایک نئی مصیبت ہوتا ہے۔ اللہ کے احکام تو نوید مسرت ہوتے ہیں۔ اردو کا دامن اتنا تنگ ہے کہ وہ عربی لفظ کے معنوں کو سمو نہیں سکتا۔ اردو میں الفاظ ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن معنی میں بے حد فرق ہوتا ہے۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

لکھنے میں کہ شیر اور شیر ایک جیسے ہیں جبکہ ایک کا معنی خونخوار جانور ہے اور دوسرے کا معنی دودھ ہے۔ اسی طرح حکم الٰہی نعمت ہے۔ اللہ کے احکام بندہ مومن کو بتاتے ہیں کہ وہ کس طرح اللہ کے قریب آ سکتا ہے جب کہ مخلوق جب دوسری مخلوق کو حکم دیتی ہے تو اس کے حکم سے مراد یہ ہوتی ہے کہ رعیت کے لوگ کس طرح مجبور و بے بس ہو کر اس کے تابع رہ سکیں اور جو حکم اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے اس کا مفہوم ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ کے بندے اس کے جمال جہاں آرا سے سیراب ہو سکیں اور کسطرح اللہ کو پہچان سکیں۔ اس کے مزید قرب میں آسکیں۔ لفظ حکم تو دونوں جگہ استعمال ہوتا ہے لیکن دونوں کے مفہوم میں بہت فاصلہ ہے۔ لہٰذا اس بات سے نہ ڈرو کہ بعثت کی بات ہوگی تو حکم الٰہی کی بات ہوگی یہی تو چاہیے، یہ تو مقصد حیات ہے اور یہ خزانہ صرف ایک ہی در سے مل سکتا ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ نے بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اپنے بندوں کے لئے در رحمت ہمیشہ کے لئے کھول دیا ہے اتنا اہتمام اس لئے فرمایا کہ اللہ کے بندوں کو اللہ نے جو عارضی اختیار دیا تھا اس کے غلط استعمال کے باعث انہوں نے غلط فیصلے کر لئے اور اللہ سے دور ہو گئے۔ اللہ نے چاہا کہ وہ اپنے گناہگار بندوں کو بچائے یہ اللہ کی رحمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں کو بچاتا۔ سو اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر دیا۔

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (سورۃ الاعمران آیت 103) لوگو! تم دوزخ کے کناروں پر چل رہے تھے تمہارے اور دوزخ کے درمیان یہ حیات مستعار تھی جس کا دم نکلتا وہ دوزخ میں جا گرتا۔ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا (سورۃ الاعمران آیت 103) میں نے رحمۃ العالمین کو مبعوث فرما کر تمہیں وہاں سے اچک لیا۔ یہ ہے اللہ کا حکم کہ دوزخ میں گرنے والوں کو وہاں سے اٹھا دے اور مشتاقان دید کی قطار میں کھڑا کر دے۔ اب اس ذات کے حکم سے ڈرنے اور بھاگنے کی کوئی وجہ ہے؟ یار لوگوں نے اس طرح سے قوم کی توجہ ہی پھیر دی، مقررین کو بھی آج کل لاکھوں میں اجرت ملتی ہے، نعت خوانوں پر بھی پیسوں کی بارش ہوتی ہے۔ جیسے پہلے زمانے میں گانا بجانا کرنے والوں پر پیسے نچھاور کئے جاتے تھے۔ اب نعت خوانوں پر برسائے جاتے ہیں۔ مقرروں کو دولت ملتی ہے، جہازوں کے ٹکٹ ملتے ہیں، اعلیٰ کھانے ملتے ہیں۔ اگر ولادت نبوی

کی تقریروں سے بھی دولت دنیا ہی ملتی ہے تو پھر یہ دولت، دنیا، جہازوں کے ٹکٹ، اعلیٰ کھانے سب کچھ کافروں کے پاس بھی بے شمار ہیں پھر مسلمان ہونے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اسلام سے بھی چند سکے اور چند تعیشات ہی لینے ہیں تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

مسلمانی تو کھیل نہیں ہے یہاں تو زندگی اپنی پسند کے بجائے اللہ کی پسند سے گزرتی ہے۔ کمانا کیسے ہے؟ کھانا کیسے ہے؟ اس میں تو اپنی زندگی پر سے اپنا اختیار ہی اٹھ جاتا ہے۔ اس پر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پابندی ہوتی ہے۔ اس میں من مانی کرنے کا مطلب ہے حیوانی زندگی گزارنا کہ جہاں سے جی چاہے کھالیا، جیسے چاہا زندگی بسر کی اس حیوانی زندگی کا انجام کیا ہوگا؟ وہی ہوگا جو قرآن حکیم نے بتایا ہے اسلام تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر زندگی گزارنے کا نام ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر زندگی گزارتے ہیں وہ اللہ سے دور رہتے ہیں جو اللہ سے دور ہیں وہ ایمان سے دور ہیں۔ ذرا ان کے مرنے کے بعد کے منظر اور تصویریں دیکھو۔ قرآن حکیم پوری تصویریں دکھاتا ہے۔ قرآن کی آنکھ سے دیکھو۔ جو قبر میں رکھ دیتے ہیں یا میت کو جلا دیتے ہیں ان سے کیا سوال جواب ہوتے ہیں؟ اور جو اتباع رسالت میں جان دیتے ہیں ان کا استقبال کس طرح ہوتا ہے؟ وہ اس فرمانبرداری کی زندگی کا اجر کیسے پاتے ہیں؟ لیکن قرآن سے رہنمائی بھی متعلق ہے۔ بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو بتاؤ کہ بعثت عالی کے بعد جسے ایک نگاہ ملی اس کے جسم کے سارے روحانی کھرب سیل روشن ہو گئے اور جتنے سیل اس کے جسم سے مٹ گئے وہ سب حساب کتاب کے وقت اکٹھے کر کے حساب ہوگا۔ ہر سیل جتنا عرصہ زندہ رہا جسم میں رہا، جسم نے نیکی کی تو اسے اس کی نیکی کا اجر ملے گا اور گناہ کیا تو اس گناہ کی سزا ملے گی اتنا باریک حساب ہے کہ ہر سیل نے جتنی اس کی شراکت ہے اتنا حصہ پانا ہے ثواب سے پانا ہے یا عذاب سے پانا ہے۔ اس ضمن میں ایک حدیث مبارک ملتی ہے جس کا مفہوم ہے کہ جہنم میں کافر کی ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہوگی۔ اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن مانتے تھے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن سائنس نے اب سمجھا دیا کہ فطرت کا نظام ایسا ہے کہ جب سارے سیل جمع ہوں گے تو ہر وجود اتنا ہی بڑا ہوگا نیکی کرنے والوں کو اتنے بڑے وجود کا فائدہ ہوگا اور برائی کرنے والوں کے لئے اسی قدر عذاب جمع ہوگا۔ لیکن ان حقائق اخروی سے آشنا ہونے کے لئے بعثت رسالت سے رشتہ ضروری ہے۔ تو اے حاضرین و سامعین ان بھٹکے ہوئے لوگوں کو جنہیں یہ سبق بھول چکا ہے انہیں یاد دلاؤ کہ ساری نعمتیں، قرب الٰہی اور وصال الٰہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ملا اور بعثت کے تعلق سے ملتا ہے۔ ہم اللہ کے بھٹکے ہوئے بندوں کو یہ سبق یاد دلانے کے مکلف ہیں یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ سبق خود یاد کرو اور دوسروں کو کرواؤ۔ اب یہ سبق منبر پر سے ہی پڑھانے والا کوئی نہیں رہا۔ یہ دکانیں اُجڑ گئی ہیں۔ نہ ان کے خواہش مند رہے ہیں، نہ کوئی گاہک، نہ ہی کوئی بازار ہے۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

لیکن اللہ کی حکمت بالغہ ہے۔ قیامت تک اہل اللہ ہوں گے۔ اللہ اللہ ہوتی رہے گی۔ ذاکرین ہوں گے۔ روشن قلوب ہوں گے اور ان کے اسباب بھی ہوں گے جب تک کائنات قائم رہتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عالی کے زمزمے گونجتے رہیں گے۔ لوگ تو بزم سے اٹھ گئے جنہوں نے ان مقاصد کے لئے اپنی زندگیاں ختم کر دیں۔ اب میری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی قوم کو، اپنے بھائیوں کو یاد دلائیں کہ ان خرافات میں نہ کھو جاؤ بلکہ بعثت عالی کی بات کرو اور پوچھو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہم سے کیا قبول کرتے ہیں ہم کیا کریں کہ آپکو پسند آئے صلی اللہ علیہ وسلم۔

آج کی نعتوں کا جائزہ لیں ہر نعت مطالبات سے پُر ہے۔ حضور اکرم ﷺ یا رسول اللہ ﷺ مجھے یہ دے دو، مجھے وہاں بھیج دو، مجھے مدینے بلالو، کوئی کربلا کا نام نہیں لیتا، کوئی نہیں کہتا کہ الٰہی مجھے کربلا میں قبول کرلے۔ جہاں لینے کی بات ہوتی ہے، وہاں سب تیار ہیں۔ جہاں دینے کی باری آتی وہاں سب خاموش ہوتے ہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ کے ذریعے سے بھی مانگتے ہیں تو دولت دنیا ہی مانگتے ہیں۔ رزق اور دنیوی اسباب تو اللہ نے سب کو تقسیم کر دیئے ہیں۔ اگر بعثت سے رشتہ ہو تو بندہ مانگنے کی چیز مانگتا ہے۔ مانگنا ہی ہے تو جمال الٰہی مانگو۔ وصال الٰہی مانگو

محمد ﷺ از تو مے خواہم خدارا
خدایا از تو عشق مصطفےٰ ﷺ را

محمد رسول اللہ ﷺ سے اللہ کو چاہو اور اللہ سے مانگنا ہے تو عشق مصطفےٰ ﷺ مانگو۔ نعتوں میں بھی ادب واحترام ملحوظ ہونا چاہیے اور ہمارے ہاں لکھتے ہیں امت کا حال خراب ہے۔ کوئی پوچھے امت کا حال خراب کس نے کیا؟ امت نے خود کیا ہے۔ امت نے محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن چھوڑ کر اپنا حال خود خراب کر دیا ہے۔

آپ ﷺ نے کسی سے اپنا دامن نہیں سمیٹا نہ قیامت تک سمیٹیں گے۔ اب کوئی اس دامن رحمت کو پکڑنے والا نہ ہو تو اسے کیا کہا جائے؟ بعثت کا رشتہ ہو تو نعت یوں بیان ہوتی ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ مجھ سے کس بات پر راضی ہوتے ہیں؟ میں کیا کروں کہ آپ راضی ہو جائیں؟

ایک دوست سے دوستی ہو تو اس سے پوچھتے رہتے ہیں کہ بھائی تم کس بات سے خوش ہو گے؟ اولاد سے پیار ہو تو اسکی خوشی دیکھتے ہیں والدین سے پیار ہو تو ان کی خدمت کا سوچتے ہیں کبھی اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی پوچھنے کی جرأت کرو کہ میں گناہگار ہوں اپنے غلیظ، بیکار اور گناہوں سے پر وجود کے ساتھ ہوں کمزور ہوں لیکن میرے جیسے کمزور انسان کے بارے میں آپ ﷺ کیا کہتے ہیں؟ میں اسے درست کرنے کے لئے کیا کرسکتا ہوں؟ کیا ایسی کوئی نعت کہی جاتی ہے؟ ایسی نعت تب کہی جاتی ہے جب بعثت عالی کا رشتہ نصیب ہو۔ جب ہم بعثت عالی کی بات کریں۔ ہم سے تو شیطان نے یہ جرأت ہی چھین لی۔ ہمیں منزل سے ہی بھٹکا دیا ہے۔

ہم نے بعثت عالی چھوڑ کر، ولادت شریف کے بھی جلسوں اور بابرکت محفلوں کو چھوڑ کر جشن منانے شروع کر دیئے ہیں جن میں کوئی حدود وقیود نہیں۔ میلاد شریف کے نام پر چندے وصول ہوں گے۔ یار لوگ عیش کریں گے۔ ٹریکٹروں، ٹرالیوں، اونٹوں، گھوڑوں پر سپیکر لگا کر نعت کے نام پر گستاخی ہوگی۔ ٹریفک معطل ہوگی اور شور شرابہ ہوگا۔ روزانہ مزدوری کرنے والوں کو مزدوری نہیں ملے گی۔ تاجروں، دکانداروں کی دکانیں بند ہوں گی۔ رات دن تماشہ ہوگا اور پولیس حفاظت پر کھڑی ہوگی۔ کوئی ایک آئے گا جو بیچ ہجوم بم پھوڑ دے گا پھر لوگ شہید ہو جائیں گے یہ کون سی شہادت ہے خواہ مرنے والے کو کلمہ نہ آتا ہو، خواہ عقائد غلط ہوں، وضو صلوٰۃ کا پتہ نہ ہو، دین سے آشنا نہ ہو، نہ دین سے کوئی رشتہ ہو۔ جسے عدالت پھانسی کی سزا دے وہ بھی شہید کہلاتا ہے، جسے دہشت گرد ماردیں وہ بھی شہید سمجھا جاتا ہے، تو جو خالص اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی راہ میں جان دیتا ہے وہ کیا ہے؟

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

شہید وہ ہوتے ہیں جو اپنا آپ اللہ کے نام پر نچھاور کر دیتے ہیں اور زندہ شہید ہوتے ہیں۔ زندہ ہوتے ہوئے وہ کھاتے ہیں جس کی اللہ اجازت دیتا ہے اس طرح کماتے ہیں جس طرح اللہ نے حکم دیا ہے۔ خرچ وہاں کرتے ہیں جہاں اللہ کی اجازت ہے۔

زندہ ہوتے ہوئے سانس اس کی مرضی کے مطابق لیتے ہیں۔ یہ لوگ شہید ہیں یہ شہادت زندہ لوگوں کو بھی نصیب ہوتی ہے یہ زندہ بھی شہید ہیں، مر کر بھی شہید ہیں۔

یہ قوم اپنا سبق بھول چکی ہے۔ میں نے تقریر نہیں کی نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ نہ مجھے کسی واہ واہ کا شوق ہے، نہ ضرورت۔ میں نے کوشش کی ہے کہ وہ بات سمجھا سکوں کو اس وقت کی ضرورت ہے۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم میلاد میں کھو گئے ہیں۔ ہماری منزل بعثت محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ بعثت عالی ایک انقلاب ہے جو تاریخ انسانی میں صرف ایک ہی بار ہوا ہے بعثت عالی کا سورج جب سے طلوع ہوا ہے اسی آب وتاب کیساتھ روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا۔ اب کوئی اتنے بڑے انقلاب سے آشنا نہ ہو۔ اس کی اہمیت سے آشنا نہ ہو تو پھر اس کو کیا کہا جائے۔

دین نام ہے دو چیزوں کا ایک دین پر عمل اللہ کی رضا کے لئے خلوص دل کے ساتھ کرو اور دوسرا اس کا ذکر ہر محفل میں کرو۔ بلا جھجک کرو اور پوری محبت سے کرو اس قوم کو بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کی یاد واپس دلا دو۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔

ہماری حیات، ہماری آبرو، ہماری بقاء بعثت عالی سے وابستہ ہے اسے یاد کرلو۔ اور پوچھو اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ سے کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ میں گناہگار ہوں بے وقوف ہوں، جاہل و نادان ہوں لیکن پھر بھی آپ مجھے فرما دیجئے کہ میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔ مجھے فرمائے میں آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ یہ سوال تب آتے ہیں جب بعثت عالی کا رشتہ ہو۔

اب تو ہر کوئی فرائض چھوڑ کر رسومات و رواجات کا اسیر ہو چکا ہے اور ان بدعات کو دین کا درجہ دے رکھا ہے۔ اللہ کے لئے اللہ کا خوف کرو اس سے حیا کرو، خود کو ان خرافات سے روکو۔ یہ انہی چیزوں کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں سے آپ ہی مر رہے ہیں۔ بازاروں میں مر رہے ہیں۔ مساجد تک محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے کہ حفاظت الٰہیہ، بعثت محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستہ ہے۔ جب ہم نے بعثت عالی سے تعلق چھوڑ دیا تو ہماری حفاظت بھی ختم ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ سے بعثت کا رشتہ رکھنے والوں کے لئے آگ جلائی گئی تھی۔ آگ نے جلنے سے انکار کر دیا تھا تو پھر اس قوم کی مساجد میں بم کیوں پھٹ رہے ہیں؟ کیا کوئی ایک ایسا بندہ بھی مسجد میں نہیں ہوتا کہ جس کے خلوص کے طفیل یہ تباہی رک جائے؟

اور یہ تباہی اس لئے نہیں رک رہی کہ ہم نے دین کو تماشا بنا لیا ہے۔ حکومت کی طرف سے سرکاری شہادت مل رہی ہے۔ کیا شہادت حکومت نے بانٹنی ہے یا اس بارگاہ سے ملنی ہے جو اللہ رب العزت کی بارگاہ ہے۔

یہ بات سمجھ لیں کہ خود کو اس پر یقین دلا لیں اور دوسروں کو بتائیں کہ ہماری ابتداء اور ہماری انتہا ہماری منزل ہمارا کمال سب کچھ اتباع رسالت میں ہے۔ ہماری ابتداء بھی رسالت ہے اور ہماری انتہا بھی بعثت عالی ہے۔

اپنے آپ کو بعثت عالی سے وابستہ کر لیجئے۔ اور ان رسومات سے جان چھڑائیں خود اتباع رسالت میں آئیں اور قوم کو اتباع رسالت کی طرف لائیں۔ سارا دین، سارا سکون اور ساری پناہ اتباع رسالت پناہی میں ہے ﷺ۔ اللہ کریم ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائیں اور ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم بعثت عالی کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑیں اور اسے قائم رکھیں۔ دوسروں کو اس نعمت کے پہنچانے کا سبب بنیں اور اللہ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی بمقام: دار العرفان، منارہ، ضلع چکوال

مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے جب افغانستان پر طالبان کی حکومت قائم ہوئی اور پاکستان نے بھی اسے قبول کیا۔ پہلی دفعہ افغان قوم کو غیر مسلح کیا گیا اور بندوق کے بغیر مثالی امن قائم ہوا جو ایک انتہائی درجہ کی بدامنی کے بعد ہوا اور ایک کرامت کے طور پر ہوا کہ ہر طرح کے جرائم ختم ہو گئے۔ اگرچہ طالبان ابھی مصروف جہاد تھے اور ملک کے اندر جنگ لگی ہوئی تھی۔ افغانستان کا بیشتر علاقہ طالبان کے زیرِ نگیں تھا اور ملا عمر ان کے سربراہ تھے۔

یہاں یہ ضرور خیال رکھا جائے کہ کچھ لوگوں نے پاکستان میں اپنا نام طالبان رکھ لیا ہے۔ یا انہیں یہ نام دے دیا گیا ہے۔ جن میں اکثریت جرائم پیشہ لوگوں کی ہے جو دولت کے لالچ میں غیر ملکیوں ایجنسیوں کے کہنے پر بے گناہ اور معصوم لوگوں کو قتل کرتے اور دھماکے کرتے ہیں۔ اور مساجد بھی ان کی دسترس سے محفوظ نہیں۔ میں ان کی بات نہیں کر رہا نہ انہیں صحیح سمجھتا ہوں اور نہ ہی وہ لوگ صحیح ہیں بلکہ ہمارے وزیر داخلہ صاحب کے بقول ظالمان ہیں۔ انہیں طالبان نہ سمجھا جائے میں ان طالبان کی بات کر رہا ہوں جو واقعی باعمل مسلمان حق گو حق پرست اور مجاہد تھے اور ہیں اور آج تک غیر ملکی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ انہوں نے افغانستان پر حکومت قائم کی پھر اسے خلافت اسلامی کا رنگ دیا اور ملا عمر کو خلیفہ قبول کیا گیا۔ سرزمین افغانستان نے مثالی امن دیکھا سارے دانشور حضرات کا اعتراض بجا کہ ان سے ادارے نہ بن سکے مگر یہ اعتراض کرتے ہوئے وہ یہ بات یاد نہیں رکھتے کہ وہ جہاد کی پیداوار تھے، اور ابھی تک حالتِ جہاد میں تھے، مگر اس کے باوجود انہیں مثالی انصاف فراہم کیا جس کے نتیجے میں مثالی امن قائم ہوا۔ گورنر اور اراکین حکومت عام آدمی کے ساتھ عوامی زندگی گزار رہے تھے اور ہر فرد کیلئے ہر وقت دستیاب تھے صرف وادی پنج شیر میں احمد شاہ مسعود ان خلاف کے نبرد آزما تھا۔ باقی سارے ملک میں امن قائم ہو چکا تھا کہ امریکہ میں حادثہ ہوا جو 9/11 کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حادثہ اتنا بڑا ثابت ہوا کہ اس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ بظاہر تو ایک دھماکہ ہی تھا دو جہاز دو عمارتوں سے ٹکرائے اور وہ تباہ ہو گئیں مگر ان کا اثر برسوں بعد بھی ابھی تک روئے زمین کو لرزہ براندام کئے ہوئے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کم و بیش پانچ ہزار افراد اس میں لقمہ اجل بنے مگر اس کے اثرات نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اب تک مختلف ممالک میں لاکھوں افراد بے دردی سے موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں۔ جن میں افغانستان تو ہے پاکستان کا بھی بے حد نقصان ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ اللہ کریم محفوظ فرمائے بہر حال ایک صورتحال پیدا ہوئی۔ الزام القاعدہ اور اسامہ بن لادن کے سر آیا یہ بحث الگ ہے کہ ٹھیک تھا یا غلط اس کے نتیجہ میں افغان حکومت سے امریکہ نے اسامہ بن لادن کو مانگا جو اس وقت افغانستان میں مقیم تھا۔

افغان حکومت کا موقف یہ تھا کہ محض الزام پر ہم سے مطالبہ نہ کیا جائے ہاں اگر اسامہ کے خلاف کوئی ثبوت ہو تو ہمیں دیا جائے ہم ضرور حوالے کر دینگے۔ جس پر امریکہ بہت برافروختہ ہوا کیا سے اپنی حیثیت کا گھمنڈ تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ افغانستان کی حیثیت کیا ہے

ثبوت مانگ رہا ہے اسے بے چون چراں ہماری بات کی تعمیل کرنا چاہیے تھی یہ تو ظاہری اسباب تھے اور وہ بات تھی جو دنیا کے سامنے تھی مگر اس کے اندر کی حقیقت کچھ اور تھی جو میری رائے میں یہ تھی کہ امریکہ نے ان چند سالوں میں یہ خطرہ بھانپ لیا تھا کہ اگر یہ حکومت جاری رہی تو پھر دنیا اس کو قبول کر لے گی اور شاید امریکن بحیثیت قوم اسے قبول کرنے لگ جائیں اور لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تو پھر اسلام غالب ہوگا اور ہماری نام نہاد تہذیب کا جنازہ نکل جائے گا میں نے یہ الفاظ امریکی صدر بش کی زبان ٹیلی وژن پہ سنے تھے کہ

They were going to finish our culture arround the Globe.

کہ وہ ہماری تہذیب کو روئے زمین سے مٹانے جا رہے تھے یہ وہ بات ہے جو ہمارے دانشور شاید آج نہیں سمجھ سکے مگر امریکہ نے بہت پہلے اسوقت سمجھ لی تھی بہر حال صورتحال کشیدہ ہوتی گئی امریکہ کا اصرار بڑھتا گیا اور ساتھ امریکہ نے دنیا کی دوسری طاقتوں کو ملانا شروع کر دیا جبکہ افغانستان اپنے اصولی موقف پر قائم رہا اور بات بگڑتی چلی گئی حتیٰ کہ امریکہ افغانستان پر حملہ آور ہو گیا بندہ کی رائے اسوقت بھی یہی تھی کہ القاعدہ کا جن بھی امریکہ کا تراشا ہوا ہے جو اس حادثہ سے پہلے بھی سنانہ تھا اور 9/11 کا حادثہ بھی امریکی حکومت اور یہودیوں کی ملی بھگت کی کارستانی تھی کہ افغانستان پر حملہ کی راہ ہموار کی جائے۔ اب خود امریکہ میں اس موضوع پر بھی اور امریکہ عراق جنگ پر بھی تصنیفات آچکی ہیں۔ جن میں دو یا تین کتابیں بندہ کو بھی پہنچی ہیں۔ بہر حال امریکہ تقریباً اڑتیس ملکوں کی افواج لیکر افغانستان پر حملہ آور ہو گیا اور یہ معمولی بات نہ تھی ذرا کوئی اس پہ تھوڑا سا غور کرے تو جان سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا حادثہ تھا یہ ایک اتنا بڑا دھماکا تھا کہ اس سے اٹھنے والی لہروں نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اب تک لئے ہوئے ہیں۔ 11,10 برس بعد بھی اسکے اثرات سے چھٹکارا نہیں۔ امریکہ کے بڑے بڑے ہوائی جہاز ہوا کی بلندیوں سے افغانستان پہ بم برسا رہے تھے کہ بندہ کے پاس بھی امریکی ٹی وی ٹیم آئی 9/11 کے بارے میں نے اسوقت یہی بات کی تھی جو آج کہہ رہا ہوں اور مجھے یاد ہے کہ انٹرویو کرنے والے امریکی کے کان تک سرخ ہو گئے تھے اس پر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم یہودی ہو اس نے کہا نہیں مگر امریکی تو ہوں اور میں نے اسے مٹھائی کھلائی تھی کہ تھوڑا سا مزاج ٹھنڈا اور میٹھا کر لو جبکہ باقی کا ڈبہ ساتھ دے دیا تھا کہ باقی لوگوں کو بھی کھلائے اس کا ایک سوال یہ بھی تھا کہ جلد ہی افغان حکومت گر جائیگی اور امریکی افواج افغانستان پر قابض ہو جائینگی تو کیا ہوگا تو میں نے عرض کیا تھا کہ پھر جنگ شروع ہوگی آج تو امریکہ ہوا سے آگ برسا رہا ہے مگر قبضہ کرنے کیلئے اسے زمین پر اترنا ہوگا او رجب تم بھی زمین پر ہو گے تو پھر جنگ ہوگی۔

اس سب کے باوجود میری خواہش بھی تھی کہ کاش ملا عمر تھوڑی سی مصلحت اندیشی اختیار فرماتے اور سیاسی زبان میں ڈپلومیسی کو کام میں لاتے اور اس نوزائیدہ چھوٹی سی غریب ترا سلامی ریاست کی دنیائے کفر سے ٹکر نہ ہوتی مگر کمال ایمان ہے اللہ کے اس بندے کا جس نے کہا زندہ رہے تو حق پر رہیں گے ورنہ شہید ہو جائیں گے اور ہمیں دونوں طرح اللہ کریم کی رحمت نصیب ہوگی بہر حال جنگ ہوئی افغانستان کی حکومت گر گئی امریکہ اور اس کے حلیف قابض ہوئے اور پورے ملک پر آتش و آہن کا جال بن دیا۔ پہلے دس سال روسی جور و ستم کا نشانہ بننے والے افغان مسلمانوں کی جانیں مال آبرو غیرت بھی پھر سے امریکہ کی نوک سناں پہ تھی اور ملا عمر قصر صدارت میں بھی ایک دیہاتی تھے کہ چٹائی پر بیٹھے قہوہ اور روٹی سے ناشتہ کر رہے ہوتے تھے موٹر سائیکل پر دیہات میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے۔ ہمارے سابق صدر پرویز مشرف

مذاق اڑایا کرتے تھے کہ ملا عمر موٹر سائیکل پر بھاگ گیا لیکن ملا عمر اور اس کا موٹر سائیکل ابھی تک اس ملک میں انہی دیہات میں گھوم رہا ہے جبکہ جناب صدر خود بھاگ چکے ہیں۔ اس سارے قصے میں جو بات قابل فکر ہے وہ اس شخص کا اللہ پر اعتماد ہے کہ اگر امریکہ بھی کرے گا تو میرے ساتھ تو میرا اللہ ہے اور میں اس کے دین اور رسول ﷺ کے اتباع میں لڑ رہا ہوں انشاء اللہ امریکہ کو بھی شکست ہوگی یہ بات اس وقت تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی بلکہ دیوانے کی بڑ لگتی تھی مگر آج برسوں بعد امریکہ شکست کھا رہا ہے نہ صرف امریکہ اس کے ساتھ اڑتیس ممالک شکست کھا رہے ہیں اور وہ فقیر خدامست فاتح نظر آ رہا ہے یہ سب کچھ ایک کرامت ہے اور معجزہ نبوی ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی تعبیر نہیں بنتی۔ میں نے سرسری سا تذکرہ کر کے یہ عرض کرنا چاہا ہے کہ یہ کتنا بڑا حادثہ تھا امریکہ اور اسکے اتحادیوں کا حملہ اور افغانستان کی نوزائیدہ ریاست پر کمال ہے اس حادثہ کے اثرات نے ایک بار تو تاریخ انسانی کا رخ بدل دیا اور پوری دنیا کو متاثر کیا کس نے کیا کیا بھگتا میں اس بحث میں نہیں پڑتا مگر یہ سب جانتے ہیں کہ اس کے باعث کتنی بڑی تباہیاں آئیں اور ابھی تک دنیا لرز رہی ہے۔ مگر اب ذرا یہ تصور کر کے دیکھئے کہ امریکہ بہادر اور اس کے ساتھی ممالک اپنا اپنا بوریا بستر سمیٹ رہے ہیں آخر ایک دن انہیں جانا ہے اور یہ نہیں کہ وہ اپنا کام مکمل کر کے جا رہے ہیں بلکہ انہیں شکست فاش ہوئی ہے اور وہ سادہ و منکسر دیہاتی موٹر سائیکل پہ سفر کرنے والا فتح سے ہمکنار ہونے کو ہے جو بحمد اللہ اسے ہو چکی صرف تکمیل باقی ہے اب اس تناظر میں ایک منظر نامہ بنتا ہے کہ امریکہ کے حملے سے امریکی شکست بہت بڑا دھماکہ ثابت ہوگی اور وہ بھی ایک تہی دست درویش کے ہاتھوں ذرا سوچیں اس دھماکے کے اثرات کیا ہونگے اور کہاں تک جائینگے میری ذاتی رائے میں برصغیر پاک و ہند اور ایشیائی ریاستیں جو براہ راست اس کی زد میں ہونگی اور ایک بہت بڑا انقلاب آئے گا جو حق انصاف، امن اور عدل لائے گا اور بے گناہوں اور شہیدوں کا خون انسانی معاشرے میں اپنے رنگ بکھیرے گا پھر اسلام امن اور سلامتی کا بول بالا ہوگا جو انشاء اللہ پورے انسانی معاشرے کو روئے زمین پر متاثر کریگا کہ ہر دانشمند اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اسکی دھندلی سی تصویر دیکھ سکتا ہے ایک بہت بڑا حادثہ ہونے کو ہے جو انشاء اللہ ہو کر رہے گا اور جس کی تصویر کشی شاید میرے قلم کے بس کی بات نہیں مگر ایک بات واضح ہے کہ یہ ہر طرح کے مظالم کی شکست ہوگی اور حق و انصاف کو فتح ہوگی حق کا بول بالا ہوگا میری رائے میں دنیا ایک بہت بڑی اور مثبت تبدیلی کے دہانے پر کھڑی ہے ذرا سوچیں غور کریں اور دیکھیں آپ کے تصور میں کیا نقشہ ابھرتا ہے۔

صوفی کا کردار

عام مسلمانوں کے اعمال میں صالح کا مدار صوفی کے کردار پر ہوتا ہے۔ بالارادہ ورکھنے والے تو صوفی ہوتے ہیں لیکن جو لوگ اس طلب سے محروم ہوں۔ وہ بھی غیر معلوم طریقے سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔ اور اگرچہ صوفی نہیں ہوتے لیکن متعلقین ضرور ہوتے ہیں۔ اس طرح جو برکات نبوی علی صاحب الصلوٰۃ السلام اہل تصوف کے سینوں میں چلی آتی ہیں۔ وہ ان کی ذات کے لئے نہیں ہوتیں۔ بلکہ تمام امت مسلمہ کی امانت ہوتی ہیں اور بغیر جانتے ہوئے بھی وہ دل جو ایمان کا کوئی شمہ بھی رکھتا ہو ان سے خود بخود مستفیض ہوتا رہتا ہے۔

اگرچہ یہ حضرات اپنے مجاہدات میں سستی لائیں گے۔ تو نتیجہ پوری امت کے بداعمال ہونے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اپنی ذات کا جواب تو پھر بھی دیا جا سکتا ہے۔ کسی حد تک کوتاہی ہوگئی۔ غلطی ہوگئی تو معافی کی درخواست ہو سکتی ہے لیکن جب اپنی سستی اور بداعمال سے دوسروں کے حقوق ضائع ہوں تو اس کا جواب مشکل ہے۔ (امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی)

سوال و جواب

اللہ تعالیٰ کو ذاتی نام سے پکارنا

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی 16 ستمبر 2009 ماہانہ اجتماع بمقام: دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

بنیادی بات صرف اتنی ہے کہ بندہ اپنی حیثیت پہچان لے اور اپنی حیثیت کے مطابق اسے عظمت الٰہی کا ادراک ہو جائے۔ یہ زندگی کا ماحصل ہے۔ رب کریم کا ارشاد ہے وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (سورۃ الکہف 54) کہ انسان کا مزاج ایسا ہے کہ ہر بات میں باتیں بنانے لگ جاتا ہے۔ جھگڑا کرنے لگ جاتا ہے۔ کم از کم یہ دیکھنا چاہیے کہ اللہ کریم معبود ہے۔ انسان اس کا ادنیٰ سا بندہ ہے اور عابد ہے۔ یعنی عبادت کرنے والا۔ کبھی عابد اور معبود ایک جیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر ایک جیسے ہیں تو پھر عبادت کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے؟ اور یہی بات ہے جو اکثریت کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس کے عقائد بڑے عجیب و غریب ہیں۔ وہ اب بھی زندہ ہے۔ نماز، روزہ بھی نہیں کرتا۔ اس لیے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھے وہ مقام حاصل ہے جو لوگوں کو بڑی عبادت اور نماز، روزے کے بعد ملتا ہے۔ اس لیے میرے لیے نماز، روزہ ضروری نہیں ہے۔ بہت بلند مقام پہ اپنے آپ کو سمجھتا ہے۔ عقیدہ یہ ہے کہ میں نے اب ایک کام میں اللہ کی اطاعت کی۔ کوئی بھی کام کیا۔ مثلاً روزہ رکھا یا نماز یا صدقہ دیا یا کوئی نیکی کی ہے۔ اب اللہ پر واجب ہے کہ اس کے بدلے میں میرا کوئی کام کرے۔ تو گزشتہ سال کچھ عرصہ گزرا اس کی بیٹی فوت ہو گئی۔ وہ کہنے لگا بس اللہ ایسے ہی کام کرتا ہے۔ اپنے کام کروا لیتا ہے اور ہماری دفعہ ڈنڈی مار جاتا ہے۔ (معاذ اللہ) کچھ ایسی کیفیت آپ کے سوال کی بھی ہے۔ یعنی یہ ایسا سوال ہے جیسے برابر کی بات ہوتی ہے۔ لین دین ہوتا ہے۔ میں نے پیسے دیئے، وہ مجھے چینی دے۔ میں نے پیسے دیئے، وہ مجھے زمین کا ٹکڑا دے۔ یہ برابر کا جو لین دین ہوتا ہے، وہ اپنے برابر کے لوگوں سے ہوتا ہے۔ بندہ اور اللہ کے درمیان کوئی برابر کا لین دین نہیں ہے۔ بندوں کی دعا کی حیثیت بھی یہ ہے کہ کم از کم اس کا اللہ کریم سے رابطہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد بندہ عرض کرتا ہے اور اپنی گزارش پہنچاتا ہے تو یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اسے توفیق ارزاں ہوتی ہے۔ اب وہ اس بات پہ رہے کہ میری دعا مانی ہی نہیں گئی۔ تو پھر تو یہ برابر کا سودا ہو گیا۔ حالانکہ بندے کے جو علوم ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ خود اسے اپنی بھلائی کا بھی نہیں پتا۔ بعض اوقات وہ ایسی دعائیں کر رہا ہوتا ہے کہ اگر وہ پوری ہو جائیں تو اس کا اپنا نقصان ہو جائے۔ اب یہ ایسے ہی ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے تو رحمت الٰہیہ متوجہ ہوتی ہے اور اسے لبیک یا عبدی کہہ کر نوازا جاتا ہے۔

ابھی وہ کتنے لوگ ہیں؟ کتنے لوگ ہیں کہ وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اللہ کریم فرماتا ہے لبیک یا عبدی؟ عبدی ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اتنا آسان نہیں۔ ہمارے ایک ساتھی ہوتے تھے۔ بڑی محنت سے اور رات، دن اکثر اوقات ذکر کرتے۔ بڑا مجاہدہ کرتے تھے، انہیں کشف نہیں ہوتا تھا۔ وہ آپس میں چار پانچ ساتھی ہوتے تھے۔ آپس میں گپ شپ ہوتی تھی۔ ایک دن ساتھیوں نے اس سے کہا کہ اتنی تم محنت کرتے ہو خلوت بھی اختیار کرو۔ تنہائی میں بیٹھو۔ ملو جلو نہیں، باتیں نہ کرو، تو تمہیں کشف

شروع ہو جائے گا۔ مشاہدہ ہو جائے گا۔ اس نے بڑی خوبصورت بات کی۔ اس نے کہا یہ جو کشف یا مجاہدہ ہوتا ہے یہ اللہ تو نہیں ہے غیر اللہ ہے۔ دو ہی صورتیں ہیں یا تو کوئی چیز اللہ ہے۔ اگر اللہ نہیں ہے تو غیر اللہ ہے۔ تو اس نے کہا غیر اللہ ہے۔ تو میں غیر اللہ کے لیے مجاہدہ کیوں کروں۔ مجھے تو اللہ چاہیے، اللہ کی رضا چاہیے، میں اگر محنت کر رہا ہوں تو اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔

غیر اللہ کے لئے مجاہدہ کیوں کروں؟ تو میرے بھائیو یہ مقام ہونا کسی کا کہ وہ ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ الوہیت سے صدا آئے لبیک یا عبدی تو انبیاء کے علاوہ بڑے کم گنتی کے لوگ ہوں گے جنہیں نصیب ہوا۔ اس بات کو اس طرح لکھ دیتے ہیں کہ جب ہر بندہ دعا مانگتا ہے تو گویا اللہ کی مجبوری ہے کہ وہ اسے فوراً جواب دے۔ اللہ مجبور نہیں ہے۔ یہ برابر کا سودا نہیں ہے۔ ہم تو بعض دعائیں ایسی کر رہے ہوتے ہیں کہ جو دعا کرنا بھی جرم ہوتا ہے۔ ہماری خواہشات اور آرزوئیں ایسی ہوتی ہیں جس میں اور ہزاروں لوگوں کے دکھ پنہاں ہوتے ہیں۔

سوال نمبر 2۔ جب بندہ صلوٰۃ میں سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے تو رحمت الٰہیہ الفاظ کا روپ دھار کر اسے صفاتی نام سے یاد کرتی ہے۔ حمدنی عبدی مجدنی عبدی فرمایا جاتا ہے۔

جواب: لیکن کس کس کے لئے؟ ہم تو فاتحہ پڑھتے ہیں اور آخر میں بھول جاتے ہیں کہ کس کس کے لئے؟ ہم فاتحہ پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ہمیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس کی ادائیگی کس طرح کرنی ہے؟ عربی میں اس کا تلفظ کیا ہے؟ ہم عربی پنجابی میں پڑھ رہے ہوتے ہیں تو آپ نے تو ایسے لکھ دیا جیسے ہر بندے کے ساتھ ایسے ہی ہوتا ہے جیسے برابر کی بات ہے کہ بندہ جب کرتا تو اب اللہ کو بھی کرنی چاہیے۔ برابر کا سودا ہے۔ یہ بات برابر کا سودا نہیں ہے۔ اللہ اللہ ہے۔ مالک ہے۔ خالق ہے۔ اور عظیم ہے۔ بندہ اس کی مخلوق ہے ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے۔ بندہ اگر اپنے آپ کو شمار کرنا چاہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ اللہ کی مخلوقات کتنی قسم کی ہیں؟ زمین و آسمان میں فضاؤں میں کتنی مخلوق بس رہی ہے، کتنی قسم کی مخلوق ہے اور ان کی کیا تعداد ہے؟ ہمارے ایک ساتھی ہوتے تھے اللہ ان کے درجات بلند فرمائے وہ فوت ہو گئے۔ ایک دن ایک گلی میں سے گزر رہے تھے ڈھلوال میں۔ میں آ رہا تھا۔ دس فٹ کی گلی ہو گی تو بڑے اپنے حال میں اس طرح مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ میں نے روک لیا۔ کیا حال ہے؟ بڑے تپاک سے مجھے ملے۔ میں نے کہا کدھر کھوئے کھوئے جا رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ کھویا ہوا نہیں جا رہا تھا یہ میرے سے لے کر آٹھ قسم کی مخلوق اس دیوار تک مجھے نظر آ رہی تھی میں سوچ رہا تھا کہ اللہ کا عجیب نظام ہے اس کے درمیان اور دیوار کے درمیان چار پانچ فٹ کا فاصلہ ہو گا تو کہنے لگا کہ اس کے اور میرے درمیان مجھے آٹھ قسم کی مخلوق نظر آ رہی تھی میں اس طرف متوجہ تھا۔ میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔ کتنی اس کی مخلوق ہے۔ پھر جو ہمیں سامنے نظر آتی ہے بے شمار ہے پھر صرف انسانوں میں جو گزر چکے ہیں جو آنے والے ہیں بندہ اپنے آپ کو لکھنا چاہے تو اشاریہ لگا کر صفر لکھنا شروع کر دے تو اس کی عمر ختم ہو جائے گی ایک لکھنے کی باری نہیں آئے گی۔ اپنے آپ کو ایک نہیں لکھ پائے گا۔ اب اس مخلوق کو آپ وہاں لے گئے کہ جب ہم یہ کرتے ہیں اللہ بھی ضرور کرتا ہے وہ اس کا کرم ہے۔ قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ہمارا پڑھنا اس قابل ہے بھی کہ وہ اللہ کریم تک پہنچے یا نہیں؟ کتنوں کی نمازیں منہ پر ماری جاتی ہیں کتنوں کے روزے منہ پہ مارے جاتے ہیں آپ نے دیکھا ہے کہ بندہ عبادت کرتا ہے وہ بالائے آسمان جاتی ہے وہ رد ہو جاتی ہے۔ فرشتے لا کر اس کے منہ پر دے مارتے ہیں جیسے پرانا چیتھڑا ہوتا ہے کسی کے پاس۔ یہ بات بھی حدیث شریف میں ارشاد ہوتی ہے کہ اللہ کریم ارشاد

فرماتے ہیں حمدنی عبدی مجدنی عبدی لیکن کس کس کے لئے فرماتے ہیں کس کے رکوع وجود میں اتنی جان ہے کہ اللہ کریم اسے قبول فرماتے ہوئے فخر کرتے ہیں کہ میرے بندے نے میری تعریف کی میری بڑائی بیان کی ہے۔

سوال نمبر 3۔ آگے فرماتے ہیں کہ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب بندہ اپنے رب کو اس کے ذاتی نام سے یاد کرتا ہے تو اللہ بھی اس کو اس کے ذاتی نام سے جواب دیتے ہیں؟

جواب: ہاں جی برابر کی چوٹ ہے مجبوری ہے اللہ کی۔ کیا فضول ہانکتے رہتے ہو؟ کیا یہی سیکھتے رہتے ہو؟ ہم یہی سکھا رہے ہیں؟ کہ اللہ اور بندہ برابر ہے؟ اس طرح کی خرافات نہ لکھوایا کرو۔ کچھ تو اللہ اور بندے کے درمیان فرق اور فاصلہ رہنے دو۔ اللہ اللہ ہے وہ خالق ہے۔ وہ مالک ہے۔ بندہ چاہے بھی تو اس کی عظمت کو سمجھنا کماحقہٗ بندے کی سمجھ، علم، ارادے سے باہر ہے۔ اور بندے کی اپنی حیثیت کیا ہے؟ یہ بھی اس کا احسان ہے کہ ہم جیسوں کو نماز کی صورت بنانے کی توفیق دے دیتا ہے۔ اسے یہ لفظی رکوع سجدے کرنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ ورنہ کتنی مخلوق ہوتی ہے جو اذانیں بھی سنتی ہے، کلمہ بھی پڑھتی ہے، اور نماز کی توفیق نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نہیں پڑھتے۔ ہوتا یہ ہے کہ بات اتنی بگڑ چکی ہوتی ہے کہ وہ پڑھنے کی توفیق ہی نہیں دیتا۔ وہ کہتا ہے کہ تمہاری ضرورت نہیں ہے تم گلی میں ہی پھرو۔ ہوٹل میں بیٹھو۔ تم تاش کھیلو۔ تمہارے سجدوں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں تو آپ نے حد کر دی۔

سیدنا فاروق اعظمؓ امیر المومنین تھے۔ صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ مسجد میں ہی سیکرٹریٹ ہوتا تھا مسلمانوں کے امیر کا۔ تو اچانک آپ منبر کی سیڑھی پر کھڑے ہو گئے لوگ متوجہ ہو گئے فرمانے لگے کہ اے عمر تو تو عام خواتین کی طرح کی فطری کمزوری رکھنے والی خاتون کا بیٹا ہے اور تو اس قابل بھی نہیں کہ تجھے لوگ بکریاں چرانے پہ ملازم رکھ لیں تجھے تیرا ماموں کہا کرتا تھا کہ تو اتنا نالائق ہے کہ بڑا ہوگا تو تجھے کوئی ریوڑ چرانے پر بھی نہیں رکھے گا۔ لہذا تو اپنی حیثیت کو یاد رکھ اور یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ عرض کی گئی یا امیر المومنین یہ جملے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے ایسا کیوں کہا؟ فرمانے لگے اب میرے سامنے نفس آ رہا تھا کہ اب روئے زمین پر کوئی ایسا شہنشاہ نہیں جو میری ٹکر کا ہو یا میرے مقابلہ کا ہو۔ تو میں نے کہا میں اپنے نفس کو بتاؤں کی تیری حیثیت کیا ہے؟ یہ عالم تو ان ہستیوں کا ہے جنہیں نبی کریم ﷺ نے مانگ کر لیا تھا۔ آپ اس زمانے میں اور اس صدی میں یہ مقابلہ کرنے چلے ہیں کہ جب میں سورہ فاتحہ پڑھوں تو اللہ میرا نام لے کر شکریہ ادا کرے گا۔ یہ بہت مشکل کام ہے اللہ اللہ ہے۔ اور بندے کا کام ہے کیا؟ یہ جو میرے آپ کے نام ہیں کیا یہ ہماری حیثیت کو اور ہمارے اوصاف کو دیکھ کر رکھے گئے ہیں؟ یہ تو ماں باپ کے دیئے ہوئے نام ہیں کسی کو سعودی انداز پسند ہے اس نے وہ نام رکھ دیا بہت کم لوگ ہیں جنہیں معنے کا پتہ ہے تو وہ اچھا سا نام رکھ دیتے ہیں یہ تو ماوشما کے دیئے ہوئے نام ہیں اس کی حیثیت کیا ہے؟ اللہ کے نام اس کی صفات اور اس کی ذات کے مطابق ہیں اس کے جو صفاتی نام ہیں وہ اس کی صفات اس کی شان کے مطابق درجہ کمال کو پہنچتے ہیں۔ اس کی ذات کا جو نام ہے وہ صرف اسی کو زیب دیتا ہے کوئی دوسری ذات نہیں ہے، جو اللہ کہلائے۔ ماوشما کے نام کیا ہیں انسانوں کے دیئے ہوئے بندہ چور ہوتا ہے ماں باپ نے اس کا نام محمد امین رکھا ہوتا ہے نبی کریم ﷺ کا نام نامی بھی آ گیا اسے تو امین ہونا چاہیے لیکن عملی زندگی میں وہ چوریاں کرتا ہے۔ تو ماوشما کے ناموں کی حیثیت کیا ہے؟ اب اگر یہ برابر کا معاملہ ہوتا تو پھر ہم یہ عبادت کیوں کرتے؟ پھر تو بیٹھ کر گپ شپ کرتے اللہ کریم سے۔ جیسے ہم ویسا وہ۔ کیا اس ساری محنت یہ سارے مجاہدے سے آپ یہ سمجھ رہے ہیں؟ اور ہم یہ سمجھا رہے ہیں

تو پھر تو یہ سب کچھ عبث ہوا۔ تو کیا آپ کو سوال کھولنے کے لئے بھی ایک بندہ دانشور ملا ہوا ہے یہ بہت سیانا بنتا ہے اس سے اجتناب کریں۔ آیات کے مفہوم کا مطلب اپنی مرضی کے مطابق سمجھنا احادیث کے مفاہیم کا مطلب اپنی مرضی سے کرنا یہ صحیح نہیں ہے اس کی ذات بہت عظیم ہے وہ بہت کریم ہے ہم اس کے کرم کو بھی نہیں سمجھتے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کسی اعرابی نے کہیں صحرا میں پڑاؤ کیا تو اس کی آنکھ لگ گئی چند لمحوں بعد جب اسکی آنکھ کھلی تو اونٹنی غائب تھی اب صحرا میں ایک تو سواری کا غائب ہو جانا پھر اس کا سارا راشن پانی اسی پر لدا ہوا تھا۔ اسے تو موت نظر آنے لگی اور وہ بڑا پریشان ہوا۔ رو رو کر دعائیں مانگیں اور تھوڑی سی دور تلاش کی تو ایک ٹیلے پر چڑھا تو سامنے اونٹنی سامان سمیت کھڑی تھی۔ تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اللہ تیرا کتنا شکر ہے تو میرا بندہ ہے میں تیرا کتنا کریم رب ہوں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی کہ خوشی میں اور جذبات تشکر میں وہ بھول گیا کہ وہ اللہ کو بندہ کہہ رہا تھا اور اپنے آپ کو رب کہہ رہا تھا تو اللہ اس پر بھی بہت راضی ہوا۔ اس پر بہت انعام ہوا۔ اس کا ارادہ اس طرح کہنے کا نہیں تھا شکر ادا کرنا چاہتا تھا لیکن اتنا خوش ہوا کہ زبان کے الفاظ بدل گئے وہ الفاظ کو نہیں دیکھتا وہ اس کی نیت کو دیکھتا ہے جو اس کے پیچھے تھی۔ مولانا رومی نے چرواہے اور موسیٰؑ کے قصے کو منظوم کیا ہے۔

دیدہ موسیٰ یک شبانے را براہ
کو ہمی گفت اے کریم و اے الہ

موسیٰؑ نے ایک چرواہے کو دیکھا جنگل میں بیٹھا ہوا تھا راستے میں اور کہہ رہا تھا اے میرے اللہ! اے میرے معبود

تو کجائی تاشوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت

تو کہاں ہے تو مجھے مل جاتا میں تیرا غلام بن کر رہتا تیری خدمت کرتا تیرے کپڑے پھٹ جاتے تو میں انہیں ٹانکے لگاتا انہیں مرمت کر کے تجھے دے دیتا کنم شانہ سرت تیرا سر میلا ہو گیا ہوگا اس میں جوئیں پڑ گئی ہوں گی میں تیرا سر دھوتا، تیرے بالوں میں کنگھی کرتا۔

دستکت بوسم بمالم پایکت
وقت خواب آید بروبم جائیکت

تیرے پاؤں دباتا اور نیند کے وقت تیرے پاؤں صاف کر کے پتھر وغیرہ ہٹا کر سونے کی جگہ بنا دیتا تو اکیلا ہے تجھے بڑی تکلیف ہوتی ہوگی تیری نہ بیوی ہے نہ بچے ہیں نہ کوئی تیری بیمار پرسی کرنے والا ہے۔ وہ چرواہا اس طرح کی باتیں کر رہا تھا

زین نمط بیہودہ می گفت آں شبان
گفت موسیٰ باکیست اے فلاں

موسیٰؑ نے پوچھا کہ اس طرح کی بیہودہ باتیں کس سے کر رہے ہو؟

گفت باآں کس کہ ما را آفرید
ایں زمین و چرخ ازو آمد پدید

اس نے کہا جس نے مجھے پیدا کیا جو زمینوں، آسمانوں کا مالک ہے اس کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اسے راضی کرنا چاہتا ہوں اسے آرام دینا چاہتا ہوں۔

گفت موسیٰ ہائے خیرہ شدی
خود مسلمان ناشدی کافر شدی

انہوں نے فرمایا موسیٰؑ نے تو پاگل ہو گیا ہے تو تو کفر بک رہا ہے۔ اللہ کو راضی تو کیا کرے گا یہ جو کچھ تو سارا کہہ رہا ہے کفر بک رہا ہے تو اللہ کو کیا راضی کرے گا۔ تو نے تو اللہ کو بھی محتاج اور بیمار اس طرح بنا لیا ہے۔ سوچ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تُو تو سارا کفر بک رہا ہے۔

تو پھر تو یہ سب کچھ عبث ہوا۔ تو کیا آپ کو سوال لکھوانے کے لئے یہی ایک بندہ دانشور ملا ہوا ہے یہ بہت سیانا بنتا ہے اس سے اجتناب کریں۔ آیات کے مفہوم کا مطلب اپنی مرضی کے مطابق سمجھنا احادیث کے مفاہیم کا مطلب اپنی مرضی سے کرنا یہ صحیح نہیں ہے اس کی ذات بہت عظیم ہے وہ بہت کریم ہے ہم اس کے کرم کو بھی نہیں سمجھتے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کسی اعرابی نے کہیں صحرا میں پڑاؤ کیا تو اس کی آنکھ لگ گئی چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھ کھلی تو اونٹنی غائب تھی اب صحرا میں ایک تو سواری کا غائب ہو جانا پھر اس کا سارا راشن پانی اسی پر لدا ہوا تھا۔ اسے تو موت نظر آنے لگی اور وہ بڑا پریشان ہوا۔ رو رو کر دعائیں مانگیں اور تھوڑی سی دور تلاش کی تو ایک ٹیلے پر چڑھا تو سامنے اونٹنی سامان سمیت کھڑی تھی۔ تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اللہ تیرا کتنا شکر ہے تو میرا بندہ ہے میں تیرا کتنا کریم رب ہوں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی کہ خوشی میں اور جذبات تشکر میں وہ بھول گیا کہ وہ اللہ کو بندہ کہہ رہا تھا اور اپنے آپ کو رب کہہ رہا تھا تو اللہ اس پر بھی بہت راضی ہوا۔ اس پر بہت انعام ہوا۔ اس کا ارادہ اس طرح کہنے کا نہیں تھا شکر ادا کرنا چاہتا تھا لیکن اتنا خوش ہوا کہ زبان کے الفاظ بدل گئے وہ الفاظ کو نہیں دیکھتا وہ اس کی نیت کو دیکھتا ہے جو اس کے پیچھے تھی۔ مولانا رومی نے چرواہے اور موسیٰ ؑ کے قصے کو منظوم کیا ہے۔

دید موسیٰ یک شبانے را براہ
کو ہمی گفت اے کریم و اے الٰہ

موسیٰ ؑ نے ایک چرواہے کو دیکھا جنگل میں بیٹھا ہوا تھا راستے میں اور کہہ رہا تھا اے میرے اللہ! اے میرے معبود

تو کجائی تا شوم من چاکرت
چارقت دوزم کنم شانہ سرت

تو کہاں ہے تو مجھے مل جاتا میں تیرا غلام بن کر رہتا تیری خدمت کرتا تیرے کپڑے پھٹ جاتے تو میں انہیں ٹانکے لگاتا انہیں مرمت کر کے تجھے دے دیتا کنم شانہ سرت تیرا سر میلا ہو گیا ہوگا اس میں جوئیں پڑ گئی ہوں گی میں تیرا سر دھوتا، تیرے بالوں میں کنگھی کرتا۔

دستکت بوسم بمالم پایکت
وقت خواب آید بروبم جایکت

تیرے پاؤں دباتا اور نیند کے وقت تیرے پاؤں صاف کر کے پتھر وغیرہ ہٹا کر سونے کی جگہ بنا کر دیتا تو اکیلا ہے تجھے بڑی تکلیف ہوتی ہوگی تیری نہ بیوی ہے نہ بچے ہیں نہ کوئی تیری بیمار پرسی کرنے والا ہے۔ وہ چرواہا اس طرح کی باتیں کر رہا تھا

زین نمط بیہودہ می گفت آں شبان
گفت موسیٰ با کیست اے فلاں

موسیٰ ؑ نے پوچھا کہ اس طرح کی بیہودہ باتیں کس سے کر رہے ہو؟

گفت باآں کس کہ مارا آفرید
ایں زمین و چرخ ازو آمد پدید

اس نے کہا جس نے مجھے پیدا کیا جو زمینوں، آسمانوں کا مالک ہے اس کی خدمت کرنا چاہتا ہوں اسے راضی کرنا چاہتا ہوں اسے آرام دینا چاہتا ہوں۔

گفت موسیٰ ہائے خیرہ شدی
خود مسلمان ناشدی کافر شدی

انہوں نے فرمایا موسیٰ ؑ نے تو پاگل ہو گیا ہے تو تو کفر بک رہا ہے۔ اللہ کو راضی تو کیا کرے گا یہ جو کچھ تو سارا کہہ رہا ہے کفر بک رہا ہے تو اللہ کو کیا راضی کریگا۔ تو نے تو اللہ کو بھی محتاج اور بیمار اس طرح بنا لیا ہے۔ سوچ تو کیا کہہ رہا ہے؟ تو تو سارا کفر بک رہا ہے۔

اس سے تو اللہ کریم بہت ناراض ہوں گے۔

جامہ رابدرید وآہے کرد تفت
سر نہاد اندر بیابان و برفت

وہ تو حیرت زدہ ہوگیا۔ صدمے سے اس نے کپڑے وغیرہ پھاڑ دیئے۔ ریوڑ کو چھوڑ کر روتا چلاتا جنگل کو بھاگ گیا کہ اللہ ہی ناراض ہوگیا تو میرے پاس بچا کیا؟

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا
بندہ ما را زما کردی جدا

موسیٰؑ کو فوراً وحی ہوئی کہ میرا بندہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا تو نے بھگا دیا۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

تمہیں رسالت اس لئے دی گئی تھی کہ بندوں کو میرے ساتھ جوڑے۔ جو جڑے ہوئے ہیں انہیں تو بھگانے کے لئے نہیں دی تھی۔ اب اس کی مرضی الفاظ سارے کفریہ ہیں۔ احمقانہ ہیں لیکن پتہ نہیں اس کی نیت میں کیا خلوص تھا۔ اس کے شعور میں جو بات تھی وہ کتنی گہری تھی وہ کیا کرنا چاہتا تھا؟ حقیقتاً وہ اللہ کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ اللہ کریم اس کے دل کے حال سے واقف تھے تو معاملہ بندے اور مالک کا ہے میرے آپ جیسے اربوں کھربوں گزر گئے اربوں کھربوں گزر جائیں گے ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہم ایک سیر آٹا لینے کے لئے جانیں دے رہے ہیں۔ اور آدھ سیر چینی لینے کے لئے دھکے کھا کر اور ایک دوسرے کو دھکے مار مار کر مر رہے ہیں۔ ہماری حیثیت کیا ہے کہ ہم اشیائے خوردنی پر حیوانوں کی طرح جھپٹ رہے ہیں۔ اس ذلت سے تو بہتر ہے کہ کوئی گھاس کھالے اور اس طرح موت قبول نہ کرے لیکن مر رہیں ہیں۔ ہم اپنی حیثیت کو دیکھیں اور اس کی عظمت کو دیکھیں تو پھر بات کریں۔

ساری محنت اور سارے مجاہدے کا حاصل یہ ہے کہ یہ سمجھ آجائے کہ اللہ کی عظمت ہمارے ادراک میں نہیں آسکتی۔ لیکن ہمیں اپنی حیثیت کے مطابق کم از کم اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ بہت عظیم ہے کوئی اس کی مثال نہیں۔ کوئی دوسرا اس جیسا نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ ہمارے سجدے ایسے ہیں کہ ہمیں یاد نہیں ہوتا کہ دو تسبیحیں پڑھی ہیں تین پڑھی ہیں۔ ہماری عبادت ایسی ہے کہ ہمیں یاد نہیں ہوتا کہ رکعتیں چار پڑھنی تھیں اب دو پڑھی ہیں کہ تین پڑھی ہیں یا پانچ پڑھی ہیں۔ جنہیں بارگاہ الٰہی سے نوازا جاتا ہے عبدی کہہ کر میرا بندہ کہہ کر ان کا مقام حضرت زین العابدین جیسا ہوتا ہے۔ میں نماز ادا فرما رہے تھے تو مسجد کے دوسرے کونے میں آگ لگ گئی۔ لوگ جمع ہوگئے۔ پانی ڈالا بجھائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو دیکھا مخلوق ہے ہجوم ہے تو پوچھا کیا شور ہے؟ حضرت آگ لگ گئی تھی۔ فرمایا مجھے پتہ نہیں چلا۔ اپنی نماز میں اس قدر مشغول تھے کہ ساتھ اس کونے میں آگ لگ گئی تو لوگ بجھا رہے ہیں شور شرابہ ہے انہیں کچھ پتہ نہیں چلا۔ اتنے متوجہ الی اللہ رہے کہ سلام پھیرا نماز سے فارغ ہوئے تو پتہ چلا۔ تو صحابی بھی نہیں تھے۔ صحابیؓ زادے تھے۔ صحابیؓ کے بیٹے تھے تابعی تھے اور انبیاءؑ کا کیا مقام ہوگا اور ہماری عبادتیں کیا ہیں؟ جن کی حیثیت اور صورت کیا ہے؟ ہم کھڑے تو نماز میں ہیں اور فکر پتہ نہیں کہاں ہوتی ہے تو میرے بھائی یہ برابر کا سودا نہیں ہے یہ اس کا احسان ہے کہ وہ توفیق دے دے اپنے نام کی اپنی یاد کی اپنی بارگاہ میں حاضری کی تو یہ بڑی بات ہے۔ اللہ کریم ہدایت نصیب فرمائے ہماری کوتاہیوں اور غفلتوں سے درگزر فرمائے اور یہ سارے مجاہدے کا حاصل یہ ہے کہ صرف عظمت الٰہی کا کم از کم اپنی حیثیت کے مطابق تو ادراک ہوجائے کہ اللہ اللہ ہے اور بندہ بندہ ہے بڑے فاصلے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سامانِ حیات ہے قلبِ سلیم

امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی 17 ستمبر 2009 ماہانہ اجتماع بمقام: دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾ الشعرا آیت 89

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا

عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

ہر فعل کا ایک قدرتی نتیجہ ہوتا ہے عموماً جو کام بھی ہم کرتے ہیں اپنے اندازے میں اس کا کوئی مثبت نتیجہ سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ ہوتا کیا ہے؟ وہ ہوتا ہے جو اللہ کریم کو منظور ہوتا ہے لیکن بندہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو۔ بعض امور ایسے ہیں جن کا بظاہر کوئی نتیجہ نہیں ہوتا مثلاً کوئی سارا دن بیٹھ کر تاش کھیلتا رہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ لیکن اس کے کھیلنے والے کی نگاہ میں اس کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنا وقت اس پر صرف کرنا چاہتا ہے۔ اس کا وقت اس کی سمجھ کے مطابق کسی کام کے لئے نہیں ہے بلکہ اس نے محض وقت گزارنا ہے تو اس کے لئے وہ طریقہ اختیار کر لیا۔ پھر ایک شئے اور ہوتی ہے کہ ہم جو کام کرتے ہیں ضروری نہیں کہ اسکا نتیجہ ہماری تمنا کے مطابق ہو۔ لیکن وہ مقصد کیا ہے؟ وہ تمنا کیا ہے؟! اگر وہ نیک ہے تو یقیناً اللہ کریم اسے قبول فرماتے ہیں خواہ نتیجہ ہو یا نہ ہو مثلاً ہم ایک کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کرے لوگوں کی اصلاح ہو جائے اصلاح ہوتی ہے یا نہیں ہوتی یہ ضروری نہیں نتیجہ ہماری توقع کے خلاف بھی آسکتا ہے یہ بھی ہوتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ سب کی اصلاح ہو جائے۔ لیکن چند لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ نتیجہ ہمارے اندازے سے تھوڑا ہوتا ہے لیکن اگر بنیادی طور پر وہ ارادہ اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی منشاء کے مطابق ہی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پہ اجر عطا فرماتا ہے کوئی چاہتا ہے کہ ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا دے اس کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے اللہ کریم اپنی مخلوق کو بچا لیتا ہے وہ تباہی نہیں ہوتی لیکن کرنے والے کی نیت اور جتنا کچھ اس نے کیا ہے اس کا جوابدہ اسے ہونا پڑے گا۔ انسانی زندگی کا بھی ایک نتیجہ ہے جسے ہم اپنی سمجھ، دانست اور رائے کے مطابق مقرر کرتے ہیں لیکن اللہ کریم نے اپنی طرف سے اس کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ ایک دن ایسا آرہا ہے کہ زندگی کا محاسبہ ہوگا تو دو باتوں کا ذکر فرمایا ہے کہ عموماً لوگوں کا جو انتخاب ہوتا ہے یا لوگ جسے اہمیت دیتے ہیں وہ دو باتیں ہوتی ہیں۔ اگر آخرت اور اللہ سے تعلق کمزور ہو تو دو باتیں رہ جاتی ہیں یا تو اپنی اولاد کے لئے محنت کرتا رہتا ہے اور اس کا ٹارگٹ یہ ہوتا ہے کہ میں اولاد کے لئے بہت کچھ کر جاؤں اور یہ برا نہیں ہے برا یہ اس وقت

ہوتا ہے جب عظمت الٰہی کو بھول کر کیا جائے۔ اسی کو ٹارگٹ بنا کر اسی کو مقصد بنا کر اللہ کی اطاعت اور اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ دیا جائے اور ہر جائز وناجائز طریقہ کیا جائے یا پھر اسے مال جمع کرنے کی ہوس ہوتی ہے کہ اور زیادہ پیسہ ہو جائے اور زیادہ ہو جائے یہ وہ دو بنیادی مقاصد ہیں جن کے لئے انسان زندگی بسر کر جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ایک ارشاد پاک ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ اولاد کو بھوک اور افلاس کے حوالے کرنے کی بجائے اگر ان کے لئے محنت کر کے ان کی زندگی کا سامان کر کے چھوڑ جاتا ہے تو یہ بھی اللہ کی اطاعت ہے۔ اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ زندگی کے تجربات انسان کو بہت سے سبق دیتے ہیں۔ ہمارے ماضی قریب میں ایک جید ہستی سید انور شاہ کشمیریؒ کی ہے۔ انہوں نے عربی میں بخاری شریف کی شرح لکھی۔ دیگر خدمات دین میں بھی آپ متقدمین علماء کی مثال تھے۔ اپنے زمانے کے بہت بڑے فاضل تھے۔ نہایت دیندار، بہت متقی اور کمال کے پارسا آدمی تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے تصوف سیکھا نہیں۔ ذکر قلبی یا لطائف یا مراقبات انہوں نے سیکھے نہیں نہ انہیں کسی نے سکھائے ان کی عملی زندگی اتنی نیکی اور پاکبازی میں گزری کہ آخری عمر انہیں مشاہدات ہوتے تھے اور برزخ بھی منکشف ہوتا تھا۔ ان کا ایک بڑا عجیب واقعہ ہے۔ قادیانیوں کے خلاف ایک مقدمہ چلا تھا۔ بہاولپور کی عدالت میں اور اس میں قادیانیوں کی طرف سے ایک عالم تھے۔ شمس ان کا نام تھا۔ وہ دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور بڑے اچھے پڑھے لکھے انسان تھے گمراہ ہو گئے، ان کے جال میں پھنس گئے۔ قادیانی ہو کر مرتد ہو گئے اور ان کی طرف سے مقدمہ میں وہ پیش ہوتے تھے۔ اور برصغیر اس وقت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ تو برصغیر کے اکابر علماء اہل سنت کی امداد کے لئے آتے تھے۔ سید انور شاہ کشمیریؒ ضعیف تھے اس کے باوجود علماء کی مدد کے لئے بہاولپور تشریف لائے اور جہاں علماء کہیں رکتے تھے وہ وہاں مدد فرماتے تھے۔ بلکہ ایک واقعہ بڑا اچھی طرح مجھے یاد ہے کہ مرزا قادیانی پر مسلمانوں کی طرف سے اہل سنت کی طرف سے الزام لگایا گیا کہ اس نے تاج برطانیہ کی تائید کی ہے اور ملکہ برطانیہ کی عظمت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کی جو رسومات تھیں ان کی تائید کی ہے تو وہ جو قادیانیوں کا عالم تھا شمس۔ اس نے کہا کہ یہ تو نبی کریم ﷺ نے بھی کی ہے کہ فلاں ملک کا سفیر آیا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سفراء کو قتل نہیں کیا جاتا اس لئے میں تیرے قتل کا حکم نہیں دیتا اور اسے تنبیہ کر کے آپ نے اسے نکال دیا تھا تو سفیروں کو قتل نہ کرنا تو پہلے کا رواج تھا۔ غیر مسلم حکومتوں کا بھی رواج تھا تو حضور اکرم ﷺ نے بھی ان کی پیروی کی تھی تو اہل سنت کی طرف سے جو علماء کی ٹیم تھی وہ اس بات پر ذرا جھجکی تو اس بات پہ شاہ صاحب سید انور شاہ کشمیری کھڑے ہو گئے اور انہوں نے فرمایا کہ آقائے نامدار ﷺ اللہ کے رسول ﷺ تھے۔ جب تک یہ بات کہ سفیروں کو قتل نہ کیا جائے پہلے حکمران کرتے رہے وہ رواج تھا۔ جب حضور اکرم ﷺ نے اس پر عمل کیا تو یہ دین بن گیا۔ اسکے بعد دینی اصول ہو گیا۔ اسلامی اصول ہو گیا کہ سفیروں کو قتل نہ کیا جائے اس لئے کہ اللہ نے فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم 4 - 3) حضور اکرم ﷺ کوئی بات ارشاد نہیں فرماتے۔ جب تک اللہ کی وحی نہ ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ پہلے یہ رواج تھا پھر یہ اللہ کا حکم قرار پایا لیکن مرزا قادیانی تو کبھی کچھ کہتا ہے، کبھی کچھ کہتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ میں ظلی نبی ہوں۔ کبھی کہتا ہے کہ بروزی نبی ہوں۔ کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ کہتا ہے تو یہ تو مستقل نبوت کا دعویٰ بھی نہیں کرتا اور اس سے دستبردار بھی نہیں ہوتا۔ اس کے کہنے سے رواج دین نہیں بنے گا۔ جب عدالت کی کارروائی ختم ہو گئی اور جب وہ عدالت سے نکلنے لگے تو انہوں نے شمس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ ان کے شاگردوں

میں سے تھا تو اسے کہنے لگے اتنے بڑے کذاب کے پیچھے تم کیوں لگ گئے ہو؟ کیا ہم نے اسلئے محنت کی تھی؟ تو اس نے کہا حضرت میں اسے اللہ کا نبی سمجھتا ہوں۔ تو انہوں نے فرمایا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں دکھادوں کہ وہ خنزیر کی شکل میں جہنم میں جل رہا ہے۔ اب یہ ان کا مشاہدہ تھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے دکھا بھی دیں میں سمجھوں گا کہ یہ استدراج ہے۔ شیطانی تماشا ہے تو انہوں نے اسے دھکا دے کر فرمایا کہ تم مردود ہو چکے ہو۔ رد ہو چکے ہو۔ تمہیں اللہ نے رد کر دیا۔ ایک دن میں نے حضرت سے ان کے بارے میں پوچھا کہ شاہ صاحب کو تو مشاہدہ ہو گیا چلو ان کی نیکی پارسائی قال اللہ وقال رسول اللہ ہی ہر وقت ان کا اوڑھنا، بچھونا تھا تو اس قادیانی مرتد کو انہوں نے کیسے کہہ دیا کہ چاہو تو میں تمہیں دکھاتا ہوں تو کافر کو برزخ کیسے منکشف ہو سکتی ہے؟ تو حضرت مسکرائے اور انہوں نے اس طرح فرمادیا کہ جس طرح وہ دیکھ سکتے ہیں، ہر بندہ دیکھ سکتا ہے، فرمایا یہ ان کی سادہ مزاجی تھی۔ تصوف انہوں نے سیکھا نہیں تھا انہیں یہ خیال نہیں آیا کہ یہ تو مرتد ہے اسے کیسے نظر آئے گا؟ اور وہ اللہ کے اس پائے کے بندے تھے کہ شاید وہ کہتا کہ مجھے دکھا دو تو اللہ قادر ہے۔ شاید اسے بھی دکھا دیتا۔ اللہ تو کسی کے ضابطوں کا پابند نہیں ہے۔ اس کے اپنے ضابطے ہیں۔ وہ اپنے بندے کی بات رکھ لے۔ اس پائے کے آدمی تھے ساری زندگی لوگوں نے ان کی بڑی خدمت کی لیکن انہوں نے نہ اپنے لئے، نہ اپنے بچوں کے لئے کچھ بھی نہیں رکھا۔ ان کے وصال کے بعد ان کے فرزند تھے۔ قیصر ان کا لقب تھا۔ نام مجھے یاد نہیں۔ اکثر آتے تھے اور بہت کسمپرسی اور افلاس کی حالت میں تھے تو جو تھوڑا بہت اللہ توفیق دیتا، میں ان کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ پھر ان کا بھی وصال ہو گیا تو ایک دن میں لاہور تھا تو ایک خاتون تشریف لائیں اور ان کے ساتھ بارہ چودہ سال کا ایک نحیف ونزار سا لڑکا تھا۔ دونوں نے ہوائی چپلیں پرانی سی پہنی ہوئی تھیں اور کپڑے فرسودہ اور میلے تھے اور اس بچے کے بال پریشان اور خشک اور مٹی پڑی ہوئی اور ایک گھٹیا سی سگریٹ اس نے لگائی ہوئی پیتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ میں شاید باہر برآمدے میں بیٹھا تھا۔ میرے سامنے آگئے تو میں نے بلا لیا۔ میں نے پوچھا تو اس خاتون نے بتایا کہ میں سید انور شاہ کی بہو ہوں اور یہ ان کا پوتا ہے تو چلو جو مجھے اللہ نے توفیق دی خدمت تو کی لیکن مجھے یہ بات بڑی یاد آئی کہ بچوں کو بے مایا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کتنے عظیم انسان تھے۔ کتنے پائے کے انسان تھے لیکن فطرت کے جو اصول ہیں وہ اپنی جگہ کام کرتے ہیں۔ چاہیے تھا کہ انہیں گھر بنا دیتے کوئی روزی کا وسیلہ بنا دیتے چلو وہ دیندار ہوتے نہ ہوتے لوگوں کے محتاج تو نہ ہوتے حضرت جی نے زمین خریدی تو بعض جماعت کے لوگوں نے ہی بڑا طوفان اٹھایا کہ مولوی سلیمان صاحب آگے آگے تھے لو جی دیکھو اللہ اللہ کرتے ہیں۔ زمین خرید لی؟ عجیب بات ہے اگر اللہ اللہ کرتے تو کیا اللہ اللہ کرنے والے بے گھر اور بے خانماں ہوتے ہیں؟ بہرحال اس میں جتنے تماشے بے شور شرابے ہوئے گزر گئی بات لیکن آپ آج دیکھتے ہیں کہ حضرت کی اولاد جیسی بھی ہے وہ صوفی بنے یا نہیں وہ عالم بنے یا نہیں وہ اچھے بنے یا نہیں مختلف رائے ہیں۔ ہر آدمی کی اپنی رائے ہوتی ہے لیکن ایک بات ہے کہ وہ مانگنے پہ مجبور نہیں۔ یعنی ان کے گھر میں کھانے کو ہے اس زمین سے اتنی آمدن ہو جاتی ہے کہ ان کا گزارہ ہو جاتا ہے تو مقصد اس سارے عرض کرنے کا یہ تھا کہ قرآن یہ نہیں کہتا کہ اولاد کو بے آسرا چھوڑ جاؤ۔ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق جو بچوں کے لئے اہتمام کر کے جاتا ہے وہی اجر کا مستحق ہے لیکن اسی کو مقصد بنا لے اور اطاعت الٰہی سے نکل جائے۔ یہ درست نہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ فرمایا اس دن کوئی نفع نہیں دے گا نہ مال نہ اولاد۔ اس سے وہ مال مراد ہے جو ہر جائز و ناجائز طریقے سے جمع کیا جائے۔ مقصد

مال جمع کرنا ہو اس میں اطاعت الٰہی کی پرواہ نہ کی جائے۔ ورنہ تو سیدنا عثمانؓ غنی انتہائی مالدار آدمی تھے۔ لیکن آپ ﷺ ان کا بہت احترام فرماتے تھے۔ بلکہ ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک حجرہ مبارکہ میں اور تہبند مبارک پنڈلیوں سے اوپر تھا پنڈلیاں نظر آرہی تھیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے، بیٹھ گئے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ تشریف لائے بیٹھ گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ تشریف لا رہے تھے تو نبی کریم ﷺ نے اہتمام کرکے تہبند مبارک کو نیچے کرکے گھٹنوں تک پنڈلیاں ڈھانپ لیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے یہ اہتمام کیوں فرمایا؟ فرمایا: عثمانؓ آرہا ہے اس سے تو فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں تو میں نے پنڈلیاں ڈھانپ لیں آپؓ انتہائی مالدار تھے ان کا مال جگہ جگہ دین حق کے کام آیا۔ اور زندگی میں انہیں اللہ کی طرف سے جنت کی خوشخبری عطا ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ جنت کے سودے کئے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے پاس کنواں تھا مسلمانوں کو پانی بمشکل دیتے تھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی میرے سے جنت کے چشمے لے لے یہ کنواں مسلمانوں کو دے دے۔ حضرت عثمانؓ نے خرید کر پیش کر دیا تو مالدار ہونا محنت کی کمائی سے برا نہیں ہے مال کے جمع کرنے کو مقصد بنا لینا اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال جمع کرتے جانا غلط ہے۔ فرمایا: بھئی یہ مال کام نہیں آئے گا اور کسی کو اولاد کا طاقتور ہونا یا رئیس ہونا یہ چیزیں کام نہیں آئیں گی۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ہاں کام میں آنے والی ایک چیز ہے کہ کوئی اس دار دنیا سے اپنے قلب کو سلامت لے آیا۔ قلب سلیم سے مراد ہے کہ بنیادی طور پر اس میں شرک کا شائبہ تک نہ ہو کوئی رائی برابر شائبہ بھی شرک کا نہ ہو اسی طرح کوئی رائی برابر شائبہ بھی عظمت رسالت میں کمی کا اس میں نہ آئے۔ بڑے بڑے نئے حربے ہیں کفر کے پاس اور ہماری بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم توجہ نہیں کرتے۔ میں کینیڈا میں تھا تو مانٹریال یونیورسٹی سے لوگ اسلام میں پی ایچ ڈی کرکے آتے ہیں۔ یہاں بھی آتے ہیں۔ ہندوستان بھی جاتے ہیں اور دوسرے ممالک میں بھی جاتے ہیں۔ مسلم ممالک کے لوگ بھی وہاں سے اسلامیات میں پی ایچ ڈی کرتے ہیں تو مجھے خیال آیا کہ میں بھی مانٹریال میں ہوں تو مجھے مانٹریال یونیورسٹی دیکھنی چاہیے۔ جہاں سے بڑے بڑے نوجوان اسلامیات میں پی ایچ ڈی کرکے نکلتے ہیں۔ یونیورسٹی مانٹریال شہر کے درمیان میں ہے۔ امریکہ، کینیڈا والے وسط شہر کو ڈاؤن ٹاؤن کہتے ہیں کسی زمانے میں شہر اتنا نہ پھیلا ہوگا جب یہ یونیورسٹی بنی ہوگی۔ پھر شہر گرد اگرد پھیل گیا وہ درمیان میں آگئی لیکن یونیورسٹی بھی بجائے خود ایک شہر تھی بہت بڑے رقبے پر واقع تھی۔ میں وہاں گیا۔ کچھ ہمارے ذکر کے ساتھی بھی تھے جو وہاں پی ایچ ڈی کر رہے تھے کچھ وسط ایشیاء کے مسلمان تھے۔ فار ایسٹ سے آئی ہوئی کچھ بچیاں بھی تھیں۔ میں نے یونیورسٹی کے ایک ذمہ دار منتظم سے عرض کیا کہ میں شعبہ اسلامیات دیکھنا چاہتا ہوں جہاں سے لوگ پی ایچ ڈی کرتے ہیں تو انہوں نے مجھے بتایا کہ اس یونیورسٹی کا جو گرجا ہے۔ اس کا ایک کمپلیکس ہے۔ اس کے ایک حصے میں شعبہ اسلامیات ہے۔ ہم وہاں گئے چرچ کی جو عمارت تھی وہ بھی بہت بڑی تھی۔ اس میں بہت سی عمارات تھیں جو اس چرچ کے زیر تصرف تھیں۔ ان میں سے ایک ملٹی سٹوری بلڈنگ شعبہ اسلامیات کے لئے تھی۔ اسلامیات میں پی ایچ ڈی کرنے والوں کے لئے تھی تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس شعبے میں اساتذہ کتنے ہیں؟ غالباً اگر مجھے صحیح یاد ہے تو انہوں نے بتایا کہ تیرہ ہیں ایک شاید خاتون مسلمان تھی اور شاید دو مرد۔ دس یہودی تھے یعنی کمال ہے اسلامیات کا شعبہ عیسائیوں کے گرجے میں ہے۔ اور پڑھانے والے یہودی ہیں اور جو ڈھائی بندے مسلمان تھے وہ بھی وہی اس مزاج کے وہاں کے

مسلمان تھے۔ تو وہ کیا پڑھاتے ہیں؟ کیا پی ایچ ڈی کرواتے ہیں؟ پچھلے دنوں میں ای میل چیک کر رہا تھا تو کینیڈا ہی سے ڈاک آئی۔ بہت لمبی تھی۔ میں نے اس کا کچھ حصہ پڑھا باقی چھوڑ دیا کہ کون وقت ضائع کرے؟ تو جتنا میں نے پڑھا، وہ کہنے والا صرف ایک بات پہ Insist کر رہا تھا کہ "اسلام تو صرف کلمہ توحید ہے اور جب تک مسلمان اس پہ قائم رہے دنیا پہ غالب رہے اور جب اس میں مسلمانوں نے مختلف چیزیں پیوند کرنا شروع کر دیں تو وہ مغلوب ہو گئے اور وہ کلمہ توحید آگے اس نے لکھا ہوا تھا کہ کلمہ توحید ہے۔ لا الہ الا اللہ اس سے آگے آپ نے جمع کر دیا محمد رسول اللہ پہلے ایک جزو جمع کیا۔ پھر اس کے ساتھ آپ نے کہا صحابہ کی عظمت بھی ہے۔ پھر اہل علم کی عظمت ہے۔ پھر اولیاء اللہ کی عظمت ہے۔ تو پھر آگے آپ نے لوگوں کو تو شرک میں مبتلا کر دیا نا!

حق یہ ہے کہ کلمہ توحید پورا کلمہ اسلام ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ اور دونوں قرآن کی آیتیں ہیں۔ لا الہ الا اللہ بھی قرآن کی آیت ہے محمد رسول اللہ ﷺ بھی قرآن کی آیت ہے لیکن اگر یہود آپ کو اسلام سکھائیں گے تو ایسا ہی سکھائیں گے چونکہ وہ اسکی راہ سے واقف ہیں کہ یہ دوسرا جزو محمد رسول اللہ اسلام سے الگ کر دو تو لا الہ الا اللہ کی کوئی بنیاد اور شہادت ہی نہیں رہتی۔ کیا دلیل ہے آپ کے پاس لا الہ الا اللہ کی؟ حضرت ایک واقعہ بیان فرماتے تھے کہ کوئی صاحب منطق میں بہت فاضل تھے اور صرف و نحو اور منطق میں مانے ہوئے ماہر تھے۔ مختلف چیزوں پہ دلائل جمع کرنے والے کو منطقی کہا جاتا ہے۔ منطق مثالیں اور دلائل ہوتے ہیں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ وہ صاحب سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے ساری عمر منطق اور صرف و نحو میں بسر کر دی۔ مجھے حلقہ ارادت میں لیں اور مجھے اللہ، اللہ سکھائیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ تم یہ منطق کا چکر چھوڑ دو تو میں تمہیں اللہ، اللہ سکھاتا ہوں یہ تو بلا دلیل سیکھنے کے کام ہیں۔ اس پہ دلیلیں دینے بیٹھو گے تو اصل کام رہ جائے گا اور دلیلوں پہ بحثیں ہوتی رہیں گی تو تھوڑے ہی عرصے بعد اس شخص کی عمر پوری ہو گئی اور سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو پتہ چلا کہ زیادہ بیمار ہے تو آپ تشریف لے گئے جب آپ گئے تو وہ مرض الموت میں گرفتار تھا زندگی ختم ہو رہی تھی تو آپ نے پوچھا کیا حال ہے تو اس نے کہا کوئی حال نہیں ہے۔ شیطان میرے سامنے ہے اور کہتا ہے کہ توحید باری پہ دلیل دو۔ کس طرح اللہ وحدہٗ لاشریک ہے؟ کیا دلیل ہے تمہارے پاس؟ تو میں سو کے قریب دلیلیں دے چکا ہوں اور وہ رد کر دیتا ہے وہ آگے سے ایسی دلیل دیتا ہے کہ میری دلیل بے وزن ہو جاتی ہے تو خاتمہ قریب ہے اور یہ مجھے اسلام پہ تو نہیں مرنے دے گا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ تم کیوں دوسری دلیلیں دیتے ہو تم کہو مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ اللہ ایک ہے اس پر صرف یہ ایک دلیل ہے کہ اللہ شاہد ہے اللہ لاشریک ہے۔ یہ خالق ہے۔ یہ مالک ہے۔ اس پہ ایک دلیل ہے کہ مجھے محمد رسول اللہ ﷺ نے بتایا تو فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ کہا شیطان غائب ہو گیا۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو کلمہ اسلام سے الگ کر دیتے ہیں تو لا الہ الا اللہ کی تو آپ کے پاس دلیل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ یہودیوں کا ایک حربہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کہنے سے تو پھر انسان کی اہمیت درمیان میں آ گئی پھر اس وجہ سے اور لوگوں کی اہمیت آ گئی تو لوگ اسلام سے ہٹ گئے تو یہ ہماری بدقسمتی ہے، بدنصیبی ہے کہ اتنی اتنی بڑی اسلامی ریاستیں ہیں اور دنیا میں امیر ترین ملک اسلامی ملک ہیں لیکن اس طرف سے غافل ہیں یہ جو کہا جاتا ہے کہ امریکہ سپر پاور ہے ایک امیر ملک ہے یہ ایک باطل کھوکھلی بات ہے۔ دنیا کا اس وقت سب سے زیادہ مقروض اور لوگوں کے پیسے جو کھا کر بیٹھا ہے وہ امریکہ ہے۔ اس وقت بھی دنیا

کے سارے ممالک میں سے سب سے زیادہ مقروض ملک امریکہ ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اسے لوگ مال دار سمجھتے ہیں مالدار ملک اسلامی ریاستیں ہیں۔ جن کے پاس خزانے ہیں۔ سونے کے ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں۔ ہیرے جواہرات مسلمانوں کے پاس ہیں سونے کی کانیں مسلمانوں کے پاس ہیں۔ تیل کے ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں۔ آج ساری دولت مسلمانوں کے پاس ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ کوئی اس پائے کی یونیورسٹی کیوں نہیں بنا سکے کہ لوگوں کو باہر جانے کی ضرورت نہ پڑے یا اگر ہیں تو لوگ مغرب سے اتنے مرعوب ہیں کہ وہاں جاتے ہیں اور اسلامی یونیورسٹی میں نہیں جاتے۔ تو اس قلم کی جو سلامتی ہے اس میں سب سے زیادہ خطرات ہیں۔ دنیا میں کہیں اولاد کی محبت راہ راست سے ہٹا دیتی ہے، کہیں مال کی ہوس راہ راست سے بھٹکا دیتی ہے۔ پھر کسی نے دینی حدود میں رہتے ہوئے، دینی حدود پر عمل کرتے ہوئے، رزق حلال کمایا، رزق حلال کھایا، اچھی پرورش کی، اچھے عقائد و نظریات دیئے، اچھے اعمال کی تلقین فرمائی تو یہ بجائے خود ایک ایسی نیکی ہے جو باقی رہ جاتی ہے اور اولاد کی نیکیاں بھی اس آدمی کو بعد میں پہنچتی رہتی ہیں۔ یہ ایک کار خیر ہے لیکن اولاد کو مقصد حیات بنا لینا اور ہر جائز و ناجائز اور شریعت کے خلاف عمل کر کے انہیں امیر بنانا یہ درست نہیں۔ مال کا ہونا فی نفسہ برا نہیں بشرطیکہ حلال ہو اور جائز ذرائع سے کمایا ہو۔ حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر محض مال جمع کرنا۔ فرمایا یہ فرعون جیسی دولت یا اس طرح سے اقرباء پروری یہ کام نہیں آئے گی۔ فرمایا: مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ہاں کام آنے والی بات یہ ہے کہ اس دار دنیا سے اپنے دل کو سلامت لے جائے۔ دنیا کے بارے عموماً ہم لکھتے پڑھتے ہوئے یا واعظ میں سنتے ہیں کہ یہ دنیا بڑی گھٹیا چیز ہے۔ خراب ہے، مردار ہے، وغیرہ۔ حق یہ ہے کہ دنیا بڑی خوبصورت ہے، بڑی حسین ہے اور اس کی مادی لذتیں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔ دنیا معمولی چیز نہیں ہے۔ دنیا میں لوگوں کو اتنی دلچسپی، اتنی رغبت اللہ کی یاد سے غافل کر کے اپنے میں الجھا لیتی ہے۔ اور اس کا صرف ایک علاج ہے صرف ایک کہ کسی کے دل میں عظمت الٰہی اتنی راسخ ہو جائے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کا جادو نہ چل سکے۔ دل کو سکون و قرار، دل کا ایک مقام پر کھڑے ہو جانا، دل کا توحید باری پہ قائم رہنا اس سے نہ ہٹنا، دل کا صداقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر جم جانا، آخرت کے یقین پر جم جانا، دل کا سب فکروں سے آزاد ہو کر ایک اس بات پر قرار حاصل کر لینا ہی اس کا علاج ہے۔ اس کے لئے فرمایا: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد آیت 28) خوب سن لو محض اللہ کی یاد سے اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور کوئی دوا نہیں ہے جو دلوں کو قرار دے۔ قرار سے مراد یہ ہے کہ دل ایک جگہ جم جائے متزلزل نہ ہو۔ ادھر ادھر نہ بھٹکے کہ کبھی ادھر ڈول جائے کبھی اس طرف ڈول جائے۔ نہیں! ایک جگہ جم جائے پھر اس میں کوئی تبدیلی کا رویہ یا اس میں کوئی شک پیدا نہ ہو۔ فرمایا اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اسے ہمہ وقت اللہ کی یاد سے زندہ رکھا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **الشيطان جاثم على قلب ابن آدم فاذا ذكر الله خنس واذا غفل وسوس** (عن ابن عباس) (رواہ البخاری) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسان کے قلب پہ گھات پہ جمائے بیٹھا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرے تو وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یاد الٰہی سے غافل ہو تو شیطان آگے بڑھ کر اسکے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ (بخاری)

یہ قلب سلیم مقصد حیات ہے۔ دل کو سلامت رکھے اولاد کی پرورش حلال ذرائع سے کرے۔ نیک تربیت کرے، نیکی سے والدین کا فرض ادا ہو گیا آگے وہ سیکھتے ہیں یا نہیں سیکھتے ان کی مرضی

لیکن یہ اجر پائے گا۔ میں مجموعہ احادیث دیکھ رہا تھا کہ ایک حدیث مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے ایک شخص آیا پریشان حال تھا، بال بکھرے ہوئے، داڑھی کے بال پریشان سے تھے لباس فرسودہ سا تھا اور میلا بھی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے پاس مال نہیں؟ اس نے عرض کی ہر قسم کا مال ہے یا رسول اللہ۔ میں بڑا آسودہ حال ہوں۔ تو فرمایا اللہ کو فرسودہ حال ہونا پسند نہیں ہے بلکہ حکم ہے کہ اس نے بندے کو جتنی حیثیت دی ہے اس کے مطابق نظر آئے۔ اگر تمہارے پاس مال ہے تو تم نے یہ حلیہ کیوں بنا رکھا ہے؟ منہ ہاتھ صاف ہو، نہا دھو کر صاف ہو، بال درست کرو، اچھا لباس پہنو، تو یہ بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا اچھا طریقہ ہے۔ اللہ کریم خوش ہوتا ہے کہ اس نے جتنا مال اس کو دیا ہے اتنا نظر بھی آئے۔ ہم افراط و تفریط میں کھو جاتے ہیں یا تو اتنا اس طرف نکل جاتے ہیں کہ بالکل بندے کے پاس رات دن کا کھانا بھی نہیں ہونا چاہیے اور اس کے لئے ہم صحابہ کرامؓ کی مثالیں پیش کرتے ہیں خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ بات سناتے ہیں کہ وہ جو کی روٹی بھگو کر کھا رہے تھے۔ عسرت کے یہ سب حالات تب تھے جب مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے یا جب مدینہ منورہ نئے نئے آئے تھے فتوحات نہیں ہوئی تھیں۔ عہد فاروقی میں جب حضور اکرم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق یمن اور قیصر و کسریٰ کے خزانے مال غنیمت میں آئے تو اسی مدینہ منورہ کی گلیوں میں سونے کے اور ہیروں کے ڈھیر لگ گئے اور اکابر صحابہؓ کے ماہانہ وظائف لاکھوں میں تھے۔ اور وہی حضرت علیؓ جو جو کی سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھایا کرتے تھے ان کا کئی لاکھ کا وظیفہ ہوتا تھا۔ ورنہ مسلمانوں کو اللہ نے بے پناہ فراخدلی دی اور یہ قصے بیان کرنے والوں کے اپنے گھروں میں ساری سہولتیں ہوتی ہیں اور لوگوں کو افلاس کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ معاملہ یہ نہیں ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ پھر اللہ کی اطاعت میں جم کر کھڑا ہو اولاد کی محبت اللہ کی اطاعت سے نہ ہٹا سکے۔ اولاد کی تربیت اللہ کی طرف سے اس کے ذمے ہے۔ اولاد کے لیے سوچنا اس کے بہترین فرائض میں سے ہے۔ لیکن یہ نہ ہو کہ اولاد کی محبت اسے صراط مستقیم سے ہٹا دے۔ مال کمانا حلال طریقے سے کمانا اچھی بات ہے۔ اگر کچھ ہوگا تو کسی کے کام آئے گا۔ دین کی خدمت بھی کر سکے گا۔ غریب کے کام بھی آسکے گا۔ اسے اللہ کی راہ میں اور جائز کاموں پر خرچ بھی کرے۔ اگر ہوگا تو خرچ بھی کرے گا لیکن یہ نہیں ہے کہ مال کی محبت دل میں آجائے اور وہ حلال و حرام، جائز و ناجائز دیکھے بغیر مال صرف جمع کرتا رہے۔ اگر ایسا ہوا تو فرمایا وہ دولت، وہ نعمتیں کام نہیں آئیں گی۔ بلکہ بے پناہ دولت تھی فرعونان مصر کے پاس جو فرعون مرتا تھا تو اربوں کی دولت اس کے ساتھ دفن ہو جاتی تھی شائد وہ سمجھتے تھے کہ اب ہم اسے آگے بھی استعمال کریں گے اس دولت کے لالچ میں لوگوں نے اب ان کی قبریں بھی ادھیڑ دیں اور مقابر بھی کھود ڈالے۔ اور مال و دولت نکال لیا لیکن جب قیامت کی بات ہوتی ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ایسا ظالم يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ قوم کے آگے ہوگا اور سب کو لے کر جہنم میں داخل ہوگا۔ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ (سورۃ ھود 98) کتنا برا ہے یہ داخلہ اور کتنے برے ہیں یہ داخلے والے تو صرف دولت کی محبت یا اولاد کی محبت صرف مقصد حیات نہ بن جائے وہ جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا دے وہ اتباع رسالت سے نہ ہٹا دے جو اللہ کی اطاعت سے نہ ہٹا دے کہ آخرت میں وہ دل کام آئے گا جو اللہ کے پاس اپنے دل کو سلامت لائے گا اور دل کی سلامتی اللہ کی یاد ہے۔ کاروبار میں انسان مصروف ہوتا ہے باتوں میں مصروف ہو جائیں تو اگر بھی اس طرف پلٹ جائے تو جیسے احساس ہو جائے فوراً ذکر کرنا شروع کر دو۔ زندگی نے بہرحال ختم ہونا ہے چونکہ یہ ایک سفر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كن في الدنيا كانك غريب او عابر سبيل و عد نفسك من اهل القبور او كمال قال رسول الله ﷺ کہ دنیا میں

مسافر کی طرح رہو بلکہ اس طرح رہو کہ جیسے کوئی راہ چلتا ہوا مسافر ہوتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اہل القبور میں شامل رکھو۔ یاد رکھو کہ تم بھی اس میں سے ہو جو قبروں میں دفن ہیں۔ تم نے بھی قبر میں دفن ہونا ہے۔ تو یہ قدرت کا ایک عمل ہے۔ ارواح اس نے عالم امر میں پیدا کیں۔ وہاں ہیں۔ پھر اللہ کے پاس ہیں۔ کیسی ہیں؟ وجود تخلیق فرماتا ہے: صلب پدر میں ہوتا ہے شکم مادر میں ہوتا ہے۔ اس میں روح آجاتی ہے وہ وہاں ہمیشہ تو نہیں رہتا دنیا میں آجاتا ہے۔ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتا برزخ میں چلا جاتا ہے۔ برزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا، حشر کے میدان میں جائے گا۔ میدان حشر میں بھی ہمیشہ نہیں رہے گا اپنے گھر جائے گا۔ جنت جائے گا یا جہنم جائے گا۔ گھر پہنچ گیا تو پھر ہمیشہ رہے گا۔ اپنے مقام پر پہنچ گیا۔ اپنے گھر پہ پہنچ گیا۔ وہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے۔ اسکے بعد کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس سے آگے کہیں نہیں جائے گا۔ یہ واقعی ایک سفر میں ہے اور دنیا کے تعلقات میں کتنے ایسے چہرے تھے جن کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کا وقت پورا ہو گیا ہم نے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیئے۔ دو، تین، چار سال بڑا دکھ رہا احساس رہا۔ رفتہ رفتہ عادی ہو گئے ان کے بغیر زندگی گزارنے کے۔ یہاں کوئی کام رکا نہیں اور دو سال بعد جائیں تو قبرستان میں اپنے عزیزوں کی قبر نہیں ملتیں۔ اتنا اور آباد ہو چکا ہوتا ہے تو سمجھ نہیں آتی کہ جب ہم دفن کرنے آئے تھے تو صورتحال اور تھی اب تو اس سے کتنی دور تک آگے نکل چکی ہے اب پتہ نہیں وہ کہاں رہ گئے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہر ایک کو جانا ہے۔ اپنی منزل پہ پہنچنا ہے۔ حضور حق پیش ہونا ہے۔ اور وہاں کی دولت ہے، وہ دل جوان چیزوں سے سلامت رہا، اس میں کبھی کوئی عظمت الٰہی اور توحید باری کے بارے کوئی شبہ پیدا نہیں ہوا۔ جس نے رسالت کو ماننے کا حق ادا کر دیا، ماننا زبانی تسلیم کرنا اور دل سے تصدیق کرنا اور اس پر عمل کرنے کا نام ہے۔ تو اللہ کریم اس کی توفیق عطا فرمائے اور زندگی کو اس حقیقی نظر سے دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ انسان کمزور ہے۔ غلطیاں بھی اس سے ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ کی رحمت اس سے بہت وسیع ہے اور جو اسکی طلب میں اپنے آپ کو سچا کر لیتا ہے دل سے ارادہ کر لیتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اسے ضائع نہیں فرماتا اللہ کی رحمت سے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ اصول ہے قرآن حکیم کا کہ اللہ کی رحمت سے ناامید تو وہ ہو جو جانتا مانتا نہیں۔ اللہ کو اور جس کا اللہ پر ایمان ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ کریم ہم سب پہ حاضر و غائب سب احباب کے تمام مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے۔ ایمان پہ سلامت رکھے اور گناہوں سے معافی عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دعائے مغفرت

سپیشل کلاس کے ساتھی عبدالرشید اعوان (فیصل آباد)
سلسلہ کے ساتھی حکیم عبدالرشید (ڈیرہ غازی خان) کی والدہ ماجدہ
نعیم بشیر (بھاگٹ منڈی بہاؤالدین) کی والدہ ماجدہ
سلسلہ کے ساتھی الطاف الرحمن (ملتان) اور صاحب مجاز ڈاکٹر نصرت پاشا کے بہنوئی
محمد امین شگری (بھمبر آزاد کشمیر)
ظہور احمد (مون اکیڈمی گوجرخان)
ملک عامر (ونسکہ) کے والد محترم
قاضی محمد صدیق (پنڈ نجیب اٹک) کی والدہ ماجدہ
علی باران (کوئٹہ) کے والد محترم
کامران مرتضیٰ (کوئٹہ) کے والد محترم
سلسلہ کے ساتھی شبیر احمد اور صاحب مجاز حاجی غلام عباس (بہاولپور) کے بھائی
سلسلہ کے ساتھی سید شاہ نثار (لاہور) کے والد محترم
سلسلہ کے ساتھی ملک ذوالفقار اعوان (چکوال) کے والد محترم
قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے۔
ان سب ساتھیوں کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ

جمیل شاہ حویلیاں ایبٹ آباد

23-11-1983 کو حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے ضلع مانسہرہ کا آخری دورہ فرمایا جس میں ایبٹ آباد سے اگلا پڑاؤ سم الٰہی منگ ضلع مانسہرہ میں تھا۔ اگلی صبح سویرے جب ندی سرن کے کنارے سم الٰہی منگ کے پل کے قریب حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ کی گاڑی رکی تو علمائے کرام اور علاقہ بھر سے آئے ہوئے لوگوں کے جم غفیر نے گاڑی کو گھیر لیا اور ایک جلوس کی شکل میں یہ محبتوں بھرا کارواں محمد ہارون بادشاہ خان صاحب سابقہ وزیر زراعت صوبہ سرحد کے گھر پہنچا۔ سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے استراحت کے بعد محفل جمی اور سوالات وجوابات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ چونکہ علاقہ بھر سے آئے ہوئے سینکڑوں علمائے کرام اس کارواں میں شریک تھے اور روحانی تشنگی کیلئے اپنے اپنے سوال کے جواب کے منتظر تھے۔ بعض سوالات لکھ کر پیش کیے گئے۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے پیر یا مرشد کے پاس یا ولی اللہ کی قبر پر فیض کے حصول کے لئے جاتا ہے اور اپنی عمر انکی صحبت میں گزارتا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور پھر اسی طرح انکی عقیدت میں جما رہتا ہے۔ اسے صوفیائے کرام شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ شخصیت پرستی اور بت پرستی ہے۔ اول تو جاہل پیر سے بیعت ہی حرام ہے اور ایک جاہل دوسرے جاہل کی کیا رہنمائی کریگا۔ یہ کوئی محض رسمی یا روایتی پیری مریدی نہیں اور نہ گدی نشینی والا معاملہ ہے۔ میں نے اس کام میں بڑی مدت صرف کی۔ یہ صوفیاء کی جماعت میں نے بڑی محنت مجاہدہ اور جانفشانی سے تیار کی ہے۔ اس لئے میرا سارا کام اللہ کی رضا کیلئے شروع کیا ہے۔ یہ کام میں نے خالصتاً دین کے لیے نہ کہ دنیاداری کیلئے شروع کیا ہے۔ اگر میرے پاس دس کروڑ یا دس ارب روپے بھی ہوں تو بفضلِ تعالیٰ میرے دل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ مجھے اس دولت کی طرف بالکل رغبت نہیں۔ مجھے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے دین کا بول بالا ہو۔ میری ساری زندگی اسی مجاہدہ میں گزری ہے۔ میں نے تعلیم، تدریس وتبلیغ، مناظرہ، تصنیف وتحریر اور تربیت سلوک وتصوف، سارے امور میں ہمیشہ رضائے باری تعالیٰ ہی کو پیش نظر رکھا۔

نہ شیخی و شیخیت را طلبگار
نہ دنیا و وظائف را خریدار

مجھے جتنا (روحانی) فائدہ ہوا سارے کا سارا صحابہ کرامؓ کے ناموس کی حفاظت پر اور ان کی جوتیوں سے ملا ہے۔

ایک مولوی صاحب کے سوال پر کہ آپ کسی مشہور مذہبی اور سیاسی جماعت سے وابستہ کیوں نہیں ہوجاتے۔ تو فرمانے لگے۔ پاکستان بننے کے بعد مختلف جماعتوں نے اپنی جانب سے دعوت دی۔ بڑی بڑی تنخواہوں اور مراعات کا لالچ دیا مگر میں اکیلا تن تنہا دین کا کام کرتا رہا۔ عالم ربانی کو سوائے اللہ کے کسی سے ڈرتا نہیں

چاہیے۔ تن تنہا اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے۔ جس وقت تک اس کی ڈیوٹی ہے اللہ اس کی حفاظت فرمائے گا۔ ڈیوٹی پوری ہوئی تو وہ پنشن دے کر بلا لیا جائے گا۔ اہل اللہ اور علمائے ربانی کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کو جو اس سے کٹ چکی ہے پھر اس سے جوڑ دیا جائے۔ شریعت مطہرہ کی تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ یہ ہے کہ غیر اللہ سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جاؤ۔ اسی کے ہو جاؤ۔ حضرت مولانا جامیؒ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "کہ آدمی کو چاہیے کہ وہ ایسے کامل کی تلاش کرے جو اسے نیک نامی کے کوچے میں لے جائے اور ہر نیکی میں اس کی امداد کرے"۔ اگر ایسا کامل رہبر کسی کو مل جائے تو پھر اس کے قدموں کی خاک بن جانا چاہیے۔ اس کے دامن دولت کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔ ایسا شخص جو سلوک کی منازل طے کرا دے بڑی مشکل سے ملتا ہے اور پھر اس سے فائدہ اٹھانا بھی ہر شخص کا کام نہیں۔

دنیاوی مصروفیات کے سلسلے میں سوال کے جواب میں فرمایا۔ میں اپنے کسی شاگرد کو دنیا کے کام کاج سے نہیں روکتا۔ خواہ وہ سلوک کے کیسے ہی منازل سے گزر رہا ہو۔ مختلف پیشوں کے لوگ اپنے اپنے پیشہ کے مطابق کام کریں۔ اور ملازمت پیشہ افراد اپنے فرائض منصبی نہایت خوش اسلوبی سے ادا کریں۔ صرف خرافات سے بچیں۔ صبح و شام نصف گھنٹہ پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ذکر الٰہی میں مصروف ہوں، اور احکام شریعت مطہرہ کی پابندی کریں۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو کام کاج سے منع نہیں فرمایا۔ صرف ان پیشوں سے روکا جو شرعاً ناجائز ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ راہ سلوک کیلئے شیخ کی ضرورت ہے؟ تو جواباً فرمانے لگے۔

لسانی اذکار اور عبادات نافلہ کی بجا آوری کیلئے صرف جاننا کافی ہے۔ کسی شیخ مقتدا کی تربیت وصحبت کی ضرورت نہیں۔ لیکن راہ سلوک میں بغیر شیخ کامل کی توجہ کے چلنا محال ہے۔ مقام احدیت پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔ دنیا کی تو اتنی عمر نہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید تسبیحات واذکار کی خاص تعداد پڑھ لینے یا خاص خاص اوراد و وظائف پورا کر لینے سے ہی سلوک کے مقامات حاصل ہو جائیں گے۔ مخلوق خدا کو دھوکے میں نہ رکھیں صاف کہہ دیں ہم سلوک سے واقف نہیں۔ کسی کامل کی تلاش کریں۔ یہ درست ہے کہ تسبیحات اور اوراد و وظائف کا پڑھنا نیکی ہے اور کار ثواب ہے۔ جن امور کا تعلق علوم سے ہے انہیں تو ہر شخص حاصل کر سکتا ہے اس میں مومن و کافر کی تخصیص نہیں۔ کفار بھی علوم دین اسلام پر اعتراض کی غرض سے سیکھتے ہیں۔ لیکن ان علوم کیساتھ انوار نبوت کا جمع کرنا یہ مومن متقی کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ میرے پاس جو لوگ آتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان کے بارے مجھ سے پوچھا جائے گا۔ اس لیئے میں خطوط کے جوابات اور ملاقاتیوں سے بھی یہی کہتا ہوں کہ اتباع شریعت، اتباع سنت، نماز کی پابندی، حلال و حرام کی تمیز، ذکر اللہ ہر دوام کی تلقین کروں۔ ہماری ہمیشہ ہی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کریم سلف صالحین کے راستے سے نہ ہٹائے۔ صحابہ کرامؓ تبع تابعین، سلف صالحین کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ اسی راستے پر چلو۔

ایک بزرگ کے سوال کے جواب میں علوم باطنیہ کے بارے فرمایا۔ جس طرح علوم ظاہریہ تواتر کے ساتھ ہمیں پہنچے اسی طرح پیغمبر ﷺ کے علوم باطنیہ (اسرار و معارف) بھی ہمیں تواتر کے ساتھ پہنچتے ہیں۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ ساری جماعت غور سے سن لے اتباع شریعت آقائے نامدار ﷺ کے بغیر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ وہ لوگ جاہل و مجہول اور گمراہ ہیں، جو یہ کہتے ہیں شریعت اور چیز ہے اور طریقت کچھ اور ہے۔ شریعت کا نچوڑ تصوف اور احسان ہے۔ شریعت بیج کی مانند ہے اور طریقت اس کا ثمر۔ جب بیج ہی نہ

ہوگا تو پھل کہاں سے آئے گا۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ متاخرین کی نسبت صحابہ کرامؓ سے کرامات کا ظہور کم کیوں ہوا۔ جواب دیا کہ صحابہ کرامؓ سے کرامات کی ضرورت ہی نہ تھی۔ وہ تو نبوت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں انوار نبوت جلوہ فگن تھے۔ خورشید نبوت کی موجودگی میں چراغوں کی کیا ضرورت تھی۔ چراغ اندھیرے میں جلائے جاتے ہیں۔ دن میں روشن نہیں کیے جاتے، صحابہ کرامؓ کا وجود ہی بذات خود ایک کرامت کا درجہ رکھتا تھا۔ یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر ناقابل تردید ہے کہ صحابہ کرامؓ سے بھی بکثرت کرامات کا ظہور ہوا۔

بالاکوٹ سے تعلق رکھنے والے ایک قاضی صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا (سورۃ النمل آیت نمبر 34) صوفیائے کرام اس آیت کی یہ بھی تعبیر لیتے ہیں کہ انسان اپنے بدن اور دل کو ایک ملک یا سلطنت تصور کرے۔ اس میں حب جاہ، حب مال وحسد وتکبر، وغیرہ، وغیرہ ہر قسم کی برائیاں موجود ہیں۔ اور یہ سب اپنے اپنے مقام پر خود مختار، حاکم یا بادشاہ بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جس وقت رب العالمین کا ذکر اس ملک (یعنی دل) میں داخل ہوتا ہے اور ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو انہیں ذلیل کر کے وہاں سے نکال دیتا ہے۔ اپنے آپ تو کوئی اپنے ملک ووطن، مال وجاہ کو نہیں چھوڑتا۔ اس کے لیے جہاد اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے صوفیا فرماتے ہیں کہ جب تک لطائف پر پورا مجاہدہ نہ کیا جائے دل سے یہ چیز نہیں نکلتی۔ اس لیے سلسلہ عالیہ میں ترقی اس کو ملتی ہے جو مجاہدہ زیادہ کرتا ہے۔ اس کے دو رکن ہیں۔ (1) خلوص دل اور ریاضت مجاہدہ (2) مکمل اتباع شریعت۔ کمالات کے دروازے بند ہو چکے ہیں سوائے اتباع محمدی ﷺ کے کوئی دروازہ کھلا ہوا نہیں ہے۔ گوہر مراد حضور ﷺ کی اتباع اور آپ کی جوتیوں کے صدقہ سے ملتا ہے۔ تزکیہ حاصل کیے بغیر خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کے علم میں پختگی نہیں پیدا ہوتی۔ جب تک وہ اللہ، اللہ کرنے والا نہ ہو۔ حرام، حلال کی تمیز نہیں کر سکتا۔ صرف بیان کر سکتا ہے کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ یہ چیز نور نبوت سے اکتساب فیض کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی جب پوری طرح قلب میں راسخ ہو جائے تو پھر کسی طرح بھی رذائل اس میں نہیں رہ سکتے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ دل ایک ہے، دوسرا نہیں۔ رب العالمین کسی غیر کو اس میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

شنکیاری سے آئے ہوئے علمائے کرام کی ایک جماعت نے سینکڑوں سوالات کیے اور ہم حیران تھے کہ سوالات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی اور بغیر کسی توقف کے سینکڑوں نایاب کتابوں کے حوالہ جات اور صفحات تک کی نشاندہی کرتے ہوئے مسائل کی تشفی کی جاتی رہی۔ ایک سوال کے جواب میں فرمانے لگے۔ میرا اصل مقصد اصلاح خلق ہے۔ اور تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ بغیر ذکر الٰہی کے اصلاح نفس مشکل ہے۔ اس طریق ذکر سے ان کی قدرے اصلاح ہو جاتی ہے۔ چونکہ اصلاح نفس اور تزکیہ کلی مشکک ہیں ادنیٰ درجہ احسان اور اصلاح وتزکیہ کا حاصل ہو جائے تو نجات کی پوری امید ہو جاتی ہے۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ زمانہ حال میں یہ لوگ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور بایزید بسطامیؒ تو نہیں بنتے لیکن نمازی بن جاتے ہے۔ تہجد گزار بن جاتے ہیں۔ کبائر سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احکام خداوندی اور فرامین رسالت کی عزت اور قدر ان کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جنت میں جانے کا سبب دو ہی چیزیں ہیں۔ خدا کے احکام اور اوامر ونواہی کی دل میں تعظیم عزت ہو اور خدا کی مخلوق کے لیے دل میں شفقت ہو۔ تعظیم والاحکام یہ کہ احکام الٰہی کی پابندی کی جائے اور خلق خدا پر سب سے بڑی شفقت یہ ہے کہ انہیں اُخروی عذاب سے بچانے کی کوشش کی جائے۔ احکام خداوندی کا پابند بنایا جائے۔ الحمدللہ یہ دونوں چیزیں ذکر الٰہی

کی برکت سے ان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سینکڑوں متکبر اعلیٰ دنیوی مناصب پر فائز حضرات کو حلقہ ذکر میں داخلہ کیا گیا اور ان کی گردنوں میں ذکر الٰہی کی رسی ڈالی گئی تو ان کی گردنیں بارگاہ الٰہی میں جھک گئیں۔ اطاعت رسولؐ کے سامنے موم بن گئے۔ بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہوئے۔ شراب خانوں کو لات ماری۔ بدکاری گئی۔ سگریٹ نوشی ختم، فلمیں تھیٹر وکلب گھروں کو خیر باد کہا۔ ریشمی گدیلے ترک اور مسجد کی چٹائیوں پر جا کر لیٹے۔ داڑھی کی پابندی نصیب ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ ذکر کی برکات سے عقائد درست ہوئے۔ عبادات کی پابندی ہوئی۔ معاملات کی درستگی اور حرام سے دوری کی کوشش ہونے لگی بعض لوگ جنہوں نے حلقہ ذکر میں شامل ہونے سے پہلے رشوت وغیرہ لی تھی اس کا حساب کر کے بعد دخول حلقہ ذکر رشوت کی ساری رقم واپس کر دی یہ تمام برکات ذکر الٰہی کی ہیں۔ اولیاء کرام کی صحبت اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک مجرب ذریعہ ہے۔ اولیاء اللہ سے دشمنی، خدا سے دشمنی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا اولیاء اللہ سے دشمنی کفر تو نہیں مگر توہین کرنے والے مرتے کفر پر ہیں۔ ابھی یہ پرنور محفل گرم تھی کہ موذن نے ظہر کی آذان دی تو سوالات کا سلسلہ بند ہوا اور حضرت نے احباب کو پند ونصائح سے نوازا۔

نماز کی پابندی پوری کرنی چاہیے۔ اس کے بعد پیٹ کو حرام لقمہ سے بچانے کی بھرپور کوشش کریں۔ زبان کو جھوٹ سے بچائیں۔ نفی اثبات لسانی ذکر لا الہ الا اللہ کثرت سے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف پڑھیں، ایک تسبیح استغفار کی روزانہ ضرور پڑھیں، درود شریف کی کثرت سے رزق میں فراخی حاصل ہوگی۔ اور مصائب میں کمی ہوگی۔ زندگی کو غنیمت جانو قضا شدہ نمازوں کو لوٹاؤ۔ معاملات کی اصلاح کرو۔ میں رواجی قسم کا پیر نہیں ہوں۔ اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتا تو دوسروں کا کیسے اٹھاؤں گا۔

سالانہ پروگرام سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

1431 ہجری بمطابق 2010 عیسوی

تاریخ	تاریخ قمری	ایام	تفصیل	کیفیت
2-3 جنوری	15-16 محرم الحرام	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
6-7 فروری	20-21 صفر المظفر	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
6-7 مارچ	19-20 ربیع الاول	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
3-4 اپریل	17-18 ربیع الثانی	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
8-9 مئی	23-24 جمادی الاول	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
5-6 جون	21-22 جمادی الثانی	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
02 جولائی تا 4 اگست	19 رجب۔22 شعبان	جمعہ/بدھ	سالانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل 4 اگست
31 اگست۔10 ستمبر	20-30 رمضان المبارک	منگل۔جمعہ	اعتکاف رمضان	
9-10 اکتوبر	29 شوال۔1 ذیقعد	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
6-7 نومبر	28-29 ذوالقعدہ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
4-5 دسمبر	27-28 ذوالحجہ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	

ہدایات

بروز ہفتہ احسن ہے کہ عصر کے اجتماعی ذکر میں شامل ہوں یا شام سے پہلے مرکز پہنچ جائیں۔ موسم کے مطابق اپنا بستر ہمراہ لائیں۔

انتظام والانصرام امتیازی صاحب مجاز۔

دستخط حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی:

19/12/09

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن راولپنڈی بورڈ اور
پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق سے مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے
پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

صقارہ سائنس کالج

داخلہ جاری ہے

پری کیڈٹ تا ایف ایس سی
(پری میڈیکل، پری انجینئرنگ)

داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1

پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ
چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک
قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام

ہاسٹل کی سہولت بہترین موسم
(صحت افزاء مقام)

شاندار مستقبل کیلئے نادر موقع

پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) تنویر الرحمٰن مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200

For Feed Back: siqariah@siqarahedu.com, principal@siqarahedu.com
viceprincipal@siqarahedu.com Visit at: www.siqarahedu.com

their journey, Hadhrat Hassan[RA] talked about his decision of giving the Khilafat to his Uncle Ameer Muawiyah[RA] and how it accounted for saving the Muslim Ummah from discord. Qais replied: "what are you talking brother Hassan? The Khilafat suits neither of you. You both had been raising the issue for nothing". Hadhrat Hassan[RA] got surprised because there had been no other claimant of Khilafat and in amazement he asked Qais: "then to whom does it suit?" Qais replied: "it suits Leila!" Hadhrat Hassan exclaimed: "your are a Majnoon (lunatic)!" And for this very reason Qais became famous with the title of Majnoon: the lunatic. Hadhrat Hassan[RA] called him a Majnoon because Leila had nothing to do with the affairs of the government yet Qais found her worthy of it. That was the state of a person being who had fallen in love with another human being. What should be the state of that person who falls in love with **Allah**? If Allah accepts, then even a single recitation is enough for redemption. It is the saying of the Holy Prophet[SAWS] that even if a single recitation or sheer utterance of Allah-o Akbar, O Allah or Subhan Allah which are all Tasbeeh (praise to Allah), earns acceptance with **Allah**, it is enough for the redemption (but) I am not talking about redemption. I am talking about something beyond it. Where are those pangs of love, granted to us by the Holy Prophet[SAWS]? Where is that treasure which was entrusted to us that kept us elevated; ruling, adorning, setting and beautifying the world; **it accounted for us to be rulers of the world, kings of the time and aesthete of the globe, where did that asset go away, and what became of it?**

O brothers! You don't know of my condition and I don't know the state of your hearts. I am saying this with my tongue, but only Allah knows what is inside my heart. What you do and what is inside your heart, Allah knows it as well. But Allah is Absolutely Independent for we have seen it with those before us and those with Hadhrat[RA], who did Zikr for years but were finally rejected and died on Kufr. Many people with us who had put in great efforts (in this regard) and even possessed spiritual visions, finally came to deny Allah. You may also have seen many who spent years but ultimately were thrown out in rejection. Why does this happen? If a person works for an hour, he is paid his dues; he is not just thrown out; then why does an endeavour of a lifetime get rejected. It is not Allah Who rejects; He is too Kind, but it is ourselves who keep building the edifice of our relationship on a fragile foundation, and it collapses under the slightest of pressures. We only fulfil customs and formalities and even try to hunt for worldly benefits, and remain unmindful of the real states. We consider it as a means of making the world by becoming a Shaikh or a Scholar, wherein people would come and give us alms and donation, and hence lot of money out of little pain. Why do such thoughts occur? It is because those pangs of love are missing, thus turning the whole affair into a worldly ritual only. That pain of love is absent. Try to analyse yourself. One thing is for sure; the only way forward is with that feeling (of love) and by giving away. But we have nothing to offer! The only alternative could be to wake up while others are fast asleep, to seek the opportunity to prostrate (before Allah) whilst others are rushing around and to try and save ourselves from the unlawful when others are accumulating it. ***This realization, this feeling should develop in one's heart that the relation with Allah and the Holy Prophet[SAWS] should never deteriorate. If this feeling is missing then it shall be a sheer worldly tradition of coming there and going back, making no difference what so ever.*** In the normal routine of life we have seen that people join various political parties and then swap places. While this may be the norm there, it is not applicable to the realm of love, desire and longing. Therefore my brothers! Talk to your own self; question your self and look for the answer within yourself. **It is my desire as well as a prayer and a suggestion that be straight with your Allah and the Holy prophet[SAWS] and leave no doubts, confusion or deceit in that (relation). Leave no veil in between; open your heart before them and it is for them to grant whatever they want. Indeed Allah bestows more than a person's capacity and no one is left deprived in HIS Court.** It is a Court where a frayed begging bowl is repaired, enlarged and filled. The only thing to keep in mind is to try and develop an ever increasing pain, feeling and desire (of love and longing for Allah). We should live in and die with this longing alone. May Allah forgive us our sins that we may have committed consciously or unconsciously and may HE grant us those pangs of heart, HIS love and that of HIS Beloved[SAWS] and indeed HE is Merciful and nothing is beyond HIS Mercy.

In one of the Jihads Hadhrat Khalid raised his sword (against his opponent) who (in turn) recited the Kalimah yet Hadhrat Khalid's sword went across him and killed him. Muslims won the battle and on return presented the incident before the Holy Prophet that the person had recited the Kalimah but Hadhrat Khalid didn't stop. The Holy Prophet asked for the reason and Hadhrat Khalid replied that he (the vanquished) had only done so because of the fear of the sword and not by his heart. The Holy Prophet said: "Did u rip open his heart (to see that); how did you know that he was just reciting it ostensibly? Once he had recited the Kalimah you should have stopped." The Holy Prophet didn't approve of it and said that it was wrong and exceeding the limits. It was not necessary to take a life for no reason. Once he had recited the Kalimah regardless of that being superficial or by heart, he (Hadhrat Khalid) should have refrained.

It was ordered (by the Holy Prophet) in every Jihad, not to raise sword against anyone who does not raise his sword in the first place. Crops shall not be destroyed and trees shall not be cut. People in the places of worship shall not be disturbed, even if they were worshipping idols. Today, those in prostration before Allah are being fired upon. What is the meaning of this? Now, it has become customary to swear at the west and blame the US. Leave the US alone! It is not a Muslim state, (although) Muslims are also living there, by **Allah**'s Grace, but the over all system or the state is not Islamic. They have their own religion in the West. We should talk about ourselves; what are those who proclaim the Kalimah doing here? From every city comes the news of blasts, every city is a killing ground, dead bodies can be found in every city and street, children and other family members are being abducted and there is looting every where, what is all that? It is the same harassment that was prevalent before the advent of the Holy Prophet. Love was endowed by the Holy Prophet. Once people got farther away from there, the same disease returned. The medicine was given by the Holy Prophet and that was the medicine of love: he joined your hearts with love. Your hearts were filled with love; once the link to the Holy Prophet was lost, so were gone the feelings of love. Every person became enemy of the other; **"Every body is here to kill every body,"** this was the reply to a journalist's question to an officer on the battlefield of the World War. Every one present there was up to killing the other. The officer had surely put it in a nutshell.

Is the same situation not true of us today? Why? It is because those emotions of love are escaping from our hearts. The Kalimah alone was enough for filling the heart with that emotion. Yet, despite the opportunity to worship, recitation and the distinction of receiving the blessings of the Holy Prophet after the vast stretch of fourteen centuries, if we treat all this turns as a sheer ritual then we are indeed naïve: those travelling for the Zikr (towards Dar ul-Irfan) make so many undue stops on their way for petty requirements such as having tea, food or even prayer (for that matter), with the result they miss out on both of the Zikr sessions. Arriving late, they yet look for the dinner. What do you come here for? Why undertake the trouble to travel all the way here if you won't get a proper bed for the over night stay? One could have felt better at home if comfort is the priority. But if one must come here they must reach before the evening prayer. Why waste the opportunity of Zikr? Do we not fill this stomach every day? Do we not rest our bodies every day? A day's endeavour should not be a big deal. If this is the case of the Zakirin what chance do non-Zakirin stand? **Such is the state of those whom we consider as the Aulia Allah that they prefer their physical needs, comforts and desires over Zikr.** A few of the participants have demanded an extra morning session of Zikr in addition to the evening and early Tahajjad Zikr sessions, since they could not arrive earlier due to their commitments. This (extra) session of the Zikr that we do on account of the wish or command, what ever you may like to call that, but the fact of the matter is that even then those people can't make it. Now how do we find out what kind of desire a heart carries and what mystery is this love, and where to look for it?

Majnoon was kissing the feet of a dog when some one asked him: "What are you doing? there's limit even to craziness". Majnoon replied: "I have seen this dog go through the street of Leila some time!" The following anecdote was related by Maulana Thanvi. He said, "I have heard it from some one but I have not read it in any book: when Hadhrat Ameer Muawiyah and Hadhrat Hassan patched up, the latter handed over Khilafat to Hadhrat Ameer Muawiyah and set off to visit the Haram and to perform Umrah. Qais, who was a close friend of Hadhrat Hassan went along with him. During

Holy Prophet[SAW] fuelled the desire of union, and a handful of dust (human being) lit the candle of the love for Allah: a dependant, humble soul up in front of a Being that has no parable! Yet to a degree, he carries that desire of union for which he remains restless and cries for HIM; wants to meet HIM and be there in front of HIM and this, in fact, is the distinction of the Faith. Humans are strange in that even during the time of the Holy Prophet[SAW] there were those who remained devoid of these blessings. As time passed, the states and feelings of passion kept changing; love was long lost, traditions and rituals took its place and various means of fulfilling formalities took shape. The world has once again fallen into the quagmire of misguidance. **Now, answer a question with due comprehension and understanding: have all those deprived of the Deen of Allah, not returned to the same age of ignorance out of which the Holy Prophet[SAW] had recovered them from their animal life and restored them to their original humans status?** What was the life of those people with no sense of dress and no principle of relations of friendship or animosity? The stronger oppressed the weaker, the nobles used to let predators loose on the poor for the sake of entertainment and felt happy in killing and shedding blood. Is today's picture not the same? Who had turned wild animals back into humans and why humans are turning back into wild animals? **Leave the infidels alone; even over here the places of worship are not safe from those who claim to be the people of the Kalimah. Mosques are being bombed, markets are being sniped and no one knows whom have they killed and why!** School bus is bombed without realising whose kids are being blown up and why. There is no reason but there is just the wanton instinct to kill; a wild, ferocious behaviour! Just the other day I was watching (a television programme on) wildlife, in which the rapacious behaviour of predators was being explained. A wounded limping lioness was shown. It fell at one point whilst another big lion instantly grabbed it by neck and killed it. The commentator explained that he wasn't going to eat the lioness, but since he saw a wounded animal, his desire to kill surfaced and he killed her without any need. She wasn't his food and moreover she belonged to the same species. But he had a killing instinct, a desire to kill others. That is the basis of his life. Has this killing instinct not found its way to humans now, who kill and enjoy watching the dying bodies?

Such was the state of people when the Holy Prophet[SAW] came. The same killing instinct was prevalent. Humans had the urge to kill, and the earth was a killing ground. Every oppressor was tearing the weak apart. The blessings of the Holy Prophet[SAW] filled their hearts with love and turned them into brothers, who began to sacrifice for each other. Why has the same instinct to kill and shed blood risen up again today? It is because people have become distant from the fountainhead of love (the Holy Prophet[SAW]), and the violent urges (of the age of ignorance) have resurfaced. In the current age the code of dressing, means of commute have all changed but the underling objective remains the same; the manner of killing has also changed (over the period of time) but the basic instinct of killing and enjoy watching writhing bodies is the same. Whoever forsakes (the door of) the Holy Prophet[SAW], he may happen to be the so-called Muslim, develops the malicious impulse of violence and murder. Those who do Jihad for the sake of **Allah**'s religion and for their rights are distinct. They're not oppressors but they sacrifice their own lives. Jihad is distinct from carnage. I am not referring to Mujahidin. Jihad has been made obligatory since the office of the Prophet[SAW] and shall remain obligatory till the Day of Judgement. Jihad is for the sake of combating oppression and destruction, and for replacing the darkness of ignorance with light. But it is indeed not Jihad to bomb places of worship and to open fire on innocent people in public. It is not Jihad but blatant blood shedding, a quality synonymous with the ignorant and oppressors of every time like Changez Khan as well as every tyrant of every age. This (quality) was found in Hitler, the British, and the Americans, and is true of them even today. Why was Hiroshima atom bombed despite Japan's surrender? Why was Nagasaki bombed? Just for the sake of experiment to see the effect! Millions of people lost their lives and cities were turned into ruins. This was a wanton desire to destroy! But **when the love of Allah arises and the love of Holy Prophet[SAW] evokes, it inspires (one) to sacrifice one's life for the truth rather than taking away lives and killing for no reason.** Then people come out for Ehqaaq-e Haqq (establishment of Truth). It is then when they kill and get killed. *Those who execute Jihad in Allah's way, kill as well as get killed.* (9:111). But that act is according to the Command and will of Allah and HIS Prophet[SAW] and not out of their personal instincts.

this manner, he verified every line of the Quran and spent hours like this every day. Abundance of recitation doesn't matter to **Allah**; HE accepted the feeling which caused that illiterate person to believe in the truth of something he could not even understand. He could not read it, didn't understand its meaning yet kept repeating. 'What YOU have said is true!' Therefore, it is the feeling called love that is acceptable in HIS Presence. Faith is the name of this love when it develops for **Allah** and HIS Prophet(saws). The Holy Prophet(saws) has said that a person may develop the love for Allah by developing love for those who mention about Allah in a manner that is akin to seeing Allah.

There have been thinkers, researchers, scholars as well as philosophers, but no one knew during the *Fatrat* (Intermission: *temporary suspension of deputation of Prophets, the period spanning approximately 570 years, between Prophet Jesus(as) and the holy Prophet Muhammad(saws)*) that **Allah** exists, where is HE and what is HE. But the Holy Prophet(saws) described this in a manner that even an illiterate herdsman, who has recited the Kalimah, knows for sure that Allah exists; HE is near him, watching and listening to him. **Such is (the degree of) the cognisance granted by the Holy Prophet(saws) that even an illiterate person of this deteriorated time, who has declared the Kalimah, knows that Allah exists; HE is sustaining him, and to HIM is his return.** Hence the proof of Faith is developing immense love for Allah. The Holy Prophet(saws) has said: "No one amongst you can be a believer unless he loves me more than his parents, siblings, offspring and all the human beings on earth". One cannot be a believer otherwise. The love of the Holy Prophet(saws) is the conduit of the love towards Allah. As for the love of the Holy Prophet(saws), anyone and everyone who recognised him(saws) got absorbed in his(saws) love. What else shall a person achieve if has not achieved that recognition?

During the time of the Holy Prophet(saws) some people remained devoid of the Faith and this saddened him because he(saws) was sent for the (guidance of) entire mankind and he felt for the deprivation of these people. Allah Kareem responded to this: "Such unfortunate are these people that they look at you but are unable to see you", that is when they look at him they see Muhammad, the son of Abdullah, but they are unable to see Muhammad the Messenger of Allah. They perceive him as one of the sons of their Qureshi brother, a member of their clan and society who wants to rule over them and outdo everyone. But they are unable to see Muhammad the Messenger of Allah; unable to perceive the grace of the office of the Prophet(saws). The same realization was reflected in the prayer of the Holy Prophet(saws) when he prayed in favour of the people of the city of Ta'if: "O Allah! Do not crush the mountain (upon them) and forgive them for they do not know; they fought against one of their neighbours, for if they knew me as Allah's Prophet they would have not behaved this way". Hence if one has the recognition and cognition of the Holy Prophet(saws); one Islam is the traditional Islam, which still is a billion times better than no Islam at all. Thanks to **Allah**, we were born in Muslim families; at times we offer Salat by chance, discriminate lawful against unlawful to an extent, and are also aware of death and have belief in the Day of Judgement. If **Allah** accepts, this is enough for redemption. However, **redemption is another matter and to converse with Allah and HIS Beloved(saws), and to be enslaved in love, and to attain the longing for that union and to writhe in that desire is another matter; to just pass one's days is different.** Allah has declared that HE will not forgive an infidel and HIS declaration is the Truth, but if HE does pardon an infidel, would anyone of us be able to stop him? Who could have stopped him? It is HIS decision, for HE pardons without any reason, because there is no limit to HIS forgiveness. To achieve Salvation is a great achievement. "Whoever remained safe from the Hell achieved great success". This is one thing but to experience the pain of love is something else. To die writhing in HIS love is different and to keep vigils for HIS sake and to visit mosque in HIS desire means something else. To fulfil the requirements of Salah, Hamd, Qir'at, Ruku' and Sajdah makes the prayer valid, may HE accept that; but to be able to say each and every word (of the prayer) as if facing HIM and to perform each prostration in front of HIM carries different effects. To be able to share the feelings with HIM and to express one's longing and desire before HIM is a different state. The requirement of Faith is that this should be the condition of every Muslim. The one and the only way to develop this desire is through the blessings of the Holy Prophet(saws).

The Prophetic teachings tell about Allah, HIS Self and Attributes, (whilst) the blessings of the Prophet(saws) developed a longing for Allah in the heart and kindled a fire of love. **The blessings of the**

being too young not deter you. I am also a Prophet of **Allah**. Allah willing you shall find me steadfast, I shall not cry out". Now this is a strange test of love: an aged father is ready to slaughter his son and an innocent child is willing to have his neck severed. Why? It is the love of **Allah** that is causing this to happen. It is Allah's will and Command, and it must come to pass. And HE is so **Independent/ Absolute** that at one point HE says: *WE revealed the dominion of the heavens and the earth before Ibrahim*, but here HE didn't tell him that it wasn't Ismail who was going to be slaughtered in effect! If you tell some one that finally it is not his son but the ram that will be slaughtered and he needs to lay his son down only to imitate the act, then any one can make such sacrifice. However, none of the Prophets there was told this. The one about to be slaughtered is prepared (knowing) that it is he who shall be slaughtered and is ready to have his neck severed and so is the one who is slaughtering. Hence Prophet Ibrahim ran the knife, reciting Bismillah-e Allah-o Akbar and shooting off loads of blood. It was only after the writhing body had settled that he opened his eyes to find that a ram had been slaughtered instead, whilst Ismail was standing aside. Confounded, he feared what had become (of the execution) of his dream and the Command that (he thought) he had failed to comply with, for Ismail was standing there, unhurt.

It was then that Allah Kareem said: "You have fulfilled your dream. It was up to ME to replace Ismail with a ram from the Heaven. That was MY act but you have surely executed your dream". It was only a test of love. Why would **Allah** need to get people slaughtered? When we perform the ritual of sacrifice HE says (in response to it): animals' blood or flesh does not reach **Allah**; but the emotion with which you make the sacrifice. **HE wants to see the state and the feelings of love with which you comply with HIS Command. It is not that your sacrificial meat will fill HIS stock or that HE is fond of animals' blood. It is not so! HE observes** the feelings, the emotions and the state of Qalb with you make the sacrifice; are you just fulfilling a formality, selecting a suitable animal to sacrifice in the way of **Allah**, with your own hands.

One of the greatest proofs of the Faith is the love for Allah. Faith is synonymous with cognisance, recognition and acceptance. This cognition was accorded by Muhammad the Messenger of Allah: the great personality who enabled a human to directly communicate with God. He elevated a handful of dust (a human being) to the Presence of Almighty Allah. How gracious is Allah and how illustrious and gracious was HIS Messenger! Anyone who got associated with him, he brought him in direct contact with Allah by telling him, 'stand with me, prostrate before Allah with me, address HIM, relate your distress to HIM, share your thoughts with HIM, as well as listen to HIM; study HIS Book to know what HE says to you.' Quran is like a letter from Allah to HIS slaves. Normally, we skim through Quran just for the sake of reward. We read through it only to add to our good deeds. That is all fine. But once a while, you should read it as a letter that has come to you from Allah. Everything written therein is for me. All (that is in the Quran) is (addressed) to me; what does the Quran expect of me, what does it stop me from and what does it command me to do? If you study the Quran like this for yourself, you will surely find it a different Quran, and if you study it only for the sake of reward, it will be a different Quran.

Some one related an incident to me that once a canal was being dug when a cemetery came in the way. It was an old cemetery with demolished graves along one side. Graves are usually earthen and get demolished in a few years time. Both the engineer and the artisan (at work) were Muslims. Of course they couldn't divert the whole canal because of the cemetery, so they decided to pass it through the part where the ground had been levelled with apparently no signs left (of any grave). But they did come across a grave; when it was dug open, it revealed a fully intact body. Shoot of a tree's root ran above its face issuing drops of a liquid into its mouth and there was immense fragrance (emanating from the grave). They were all shocked, closed the grave immediately, marked it and redirected the conduit of the canal so as to bypass it. The engineer became curious, for he thought the person (in the grave) must have done something special (in his life) because prayers and fasting is a routine of every other Muslim; there must also be some other reason. Searching, he reached the dead person's village and found that his old wife was still alive. He asked her if she ever saw her husband do something that people normally didn't do. She replied that her husband was illiterate and could not read the Quran; yet, every day he sat with Quran opened in front of him; sliding his finger over the lines, he used to say: "Allah! What YOU said here is true. Allah! What YOU said here is also true." In

Stone), and since the Bait-Allah had completely vanished, Prophet Ibrahim" rebuilt it on exactly the same foundations. But initially there used to be a hill surrounded by a brook that had many tributaries joining it with water escaping from the other end.

In deserted mountains with no flora or fauna within the immediate surroundings and no sign of water, Prophet Ibrahim" set off with his beloved son and beloved wife, his companion through the ups and downs of his life and his partner in every sacrifice (that came their way). The commentators of the Holy Quran have described that wherever they stationed (during the journey) Prophet Ibrahim" thought they had reached the destination. He would ask Angel Gabriele if that was the destination (to settle the family), and he would tell them to continue. It was after a very long journey that they reached the place where the Bait-**Allah** is now situated in Makkah. What a great servant of Allah! He left the infant and his mother with a few dates, some food and a small leather bag of water! Hadhrat Hajirah asked, "for which crime are we being punished that you are leaving us all alone in wilds? There's no water, nor the sight of any bird flying around; no tree and no other flora; scorching heat and sunshine with no shade; on whose reliance are you leaving us here?" The only sentence Prophet Ibrahim" said was: "I am being commanded by Allah." The wife of the Prophet replied: "then HE shan't waste us!"

What strange connection was this, that with no apparent resources, no water, and no sight of birds, a woman and an infant all-alone in wilds where there was no population other than that of the predators; a desert with no signs of human population, is a home for predators. The sight of birds flying around is a common fact known referring to a shore 50-100 miles ahead in case of an ocean and to an oasis in case of a desert. But there was no sight of any bird in that place. When Prophet Ibrahim" departed he carried himself courageously, without any sign of weakness. Once he was out of their sight, he stood up in prayer before his Lord: "O **Allah**! I am leaving my everything in the wilds. It is only YOU who can look after them and tend them, protect them and rear them; make this place (of abandonment) a centre and raise YOUR servants in my lineage and in his. There is nothing here; may YOU provide for such abundance of subsistence that no one ever remains hungry here." It is due to his prayer that within the premises of Makkah where masses gather up to three and a half million at one time, no one feels deprived of anything. Any fruit of the world, any blessing, any dress, you name it and you shall find it here; there is no limitation of seasons, any fruit of any season, anything! No Haji can ever complain that he wanted something but didn't find it there. Such is the state of abundance that **Allah** Kareem bestows!

Anyway, you know the whole event. He dreamt that the Spring of Zam Zam had issued forth. When passing caravans saw water and flying birds, a few of them settled over there. Gradually the area started to populate. Prophet Ibrahim" then saw in another dream that he was slaughtering Hadhrat Ismail". He went there once again; but he didn't discuss his dream with his wife, although there was no deficiency in her love or in the level of her patience. But, the capacity to comprehend Divine Revelation is an exclusive attribute of a Prophet and she was not a Prophetess; **no woman has ever been a Prophetess. Therefore, the religious authority and leadership do not rest with women. Even though the women of this age have become leaders, but Allah hasn't granted leadership to them; there has been no Prophethood among them.** The manner in which the scholars of the present time are inferring the meanings of traditions and narratives on the basis of the knowledge of Arabic language and grammar is not correct. Only that meaning of the Revelation is authentic as told by the Holy Prophet"", and as understood by his Companions who acted upon it in his presence and he"" approved of. To derive any meanings based on logic, grammar or any other source is totally wrong and worthless. It is because comprehension of Revelation is the exclusive attribute of a Prophet. Here, the father is an Exalted Messenger and so is the son.

When he grew up to walk around whilst holding on to finger (of an adult); a Prophet is always a Prophet; the office of Prophet had been distributed since eternity, its manifestation being a different affair; a Prophet remains a Prophet from the Beginning to the End, he may be sent to the world at any time. Once they were out of Makkah, Prophet Ibrahim" told his son: "I have had a strange dream: I have dreamt that I am slaughtering you." The young Messenger of Allah replied, "Father! The dreams of a Prophet are Divine revelations. Although it is a dream, but actually you're being commanded. This dream is like a Command for you. Just do as you are being commanded. Let my

The Proof of Faith: Intensity of Love for Allah

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar-ul-Irfan
05June 2006

*Whoever leaves the "door" of the Holy Prophet, he may happen to be a so-called Muslim, develops a malicious impulse of violence and murder. Those who do Jihad for the sake of **Allah's** religion and for their rights are different. They are not oppressors but they sacrifice their own lives. Jihad is distinct from carnage. I am not referring to Mujahidin. Jihad has been made obligatory since the office of the Prophet and shall remain obligatory till the Day of Judgement. Jihad is for the sake of combating oppression, destruction, and for replacing the darkness of ignorance with light. But it is certainly not Jihad to bomb places of worship and to open fire on innocent people in public. It is not Jihad but is massacre, a quality synonymous with the ignorant and oppressors of every time as well as those of today.*

Those granted with the light of Faith develop the most intense and strongest (feeling of) love with Allah. It is a strange fact that love is a feeling that develops in Qalb; it is a state that casts its effects on heart and the heart (consequently) writhes (in the longing) for the beloved. But one can only develop the feeling of love in response to a particular quality (of the beloved). How can one love someone he does not know or whom he has not seen or heard? Cognisance is the prerequisite of love; knowledge and recognition (of the beloved) are necessary. One may fall for someone's voice, lips or face; one may consider some one's figure. The effects of some personalities are such that the person falling in love may not even realize the reason of his love: it may be the face or voice or any other quality but there will definitely be something that he fell for. We all experience such (states of) love in varying degrees. We love our offspring, and even their petty problems greatly upset us; we want to give them all facilities of life. Fortunate people love their parents, whom they serve and want to see them happy in every respect. We also love our friends and at times sacrifice our life and property for the sake of friendship. During a friend's adversity, we may present to him all that we have. All this is a routine of every day life; it is not something that a person doesn't understand. Some fall in love with wealth; following its course they forget all relations; indiscriminate of lawful against unlawful; focussed solely on the acquisition of wealth, counting each penny earned or spent. Some fall in love with power for which they invest every penny they own. They may rot in jail for whole life or even reach the gallows, but the love for power remains etched on their hearts. Devastation of the whole family, murder of father or brothers does not deter their pursuit of power. They don't stop even at that.

One of the major proofs of the Faith is that all of these innate feelings of love towards offspring, parents, friends, and to an extent towards wealth, self respect and esteem, and fame and popularity----; others with the love of knowledge who spend their lives going from place to place in the pursuit of knowledge: **Allah. Kareem has said that one of the major proofs of the belief is that those who have the light of the Faith, love Allah to an extent that overwhelms every other shade of emotion called love. Lots of dearly things are lost but the desire to attain closeness with Allah remains undeterred.** We perform the ritual of sacrifice, which apparently is a normal activity, and now a days we just complete a formality where we ask someone else to buy and perform the sacrifice on our behalf thinking it has been (properly) executed. But if we try and look deeply into (the reality of) it we shall find a strange feeling of abundance of love in this ritual. Prophet Ibrahim went through a perpetual series of tests, each being more intense than the preceding one, from the time of his birth till his demise. His parents abandoned him; the king (of his time) tried to punish him and conspired to murder him. He travelled long distances. His wife Hajirah, whom he loved very much, bore him a child when his hair was silver grey. He was then commanded (by **Allah**) to abandon the mother and the child in the wilds amongst mountains to be identified by Angel Gabriele. Bait-**Allah** (the House of God) was lifted during the flood of the Noah and so was Hijr-e Aswad (the Black

Monthly March 2010

Al-Murshid

قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى

He indeed has attained bliss who has cleansed himself. And who remembers the names of his Rabb. And then prays.

الله
رسول
محمد

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY-COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE